ذوالحجہ ۱۴۴۵ھ
جون ۲۰۲۴ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خصوصی مضمون

نبی اکرم ﷺ کا حجۃ الوداع

حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی روشنی میں

داعیِ رجوع الی القرآن، بانیِ تنظیمِ اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر
کی شہرۂ آفاق پذیرائی اور مقبولیت کے بعد اب پیش ہے:

❁ امپورٹڈ میٹ پیپر ❁ مضبوط مراکو جلد ❁ 1248 صفحات

4500/- روپے کے بجائے
صرف 2200/- روپے میں

رمضان پیکج کے سلسلہ میں

فری ہوم ڈلیوری کے ساتھ

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)
maktaba@tanzeem.org
0301-1115348

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جلد : 73

شمارہ : 6

ذوالحجہ 1445ھ

جون 2024ء

فی شمارہ : 50 روپے

سالانہ زرِتعاون: 500 روپے

مدیر

حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:

ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مدیر

حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:

حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

ای میل: maktaba@tanzeem.org ' 0301-111-5348

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ———— 5

’’میثاق‘‘: تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا امین

خورشید انجم

بیانُ القُرآن ———— 10

سُورۃُ الاعلیٰ +سُورۃُ الغاشیۃ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خصوصی مضمون ———— 27

نبی اکرم ﷺ کا حجۃ الوداع

حدیث جابرؓ کی روشنی میں — ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

دعوتِ فکر ———— 65

حیا‘ حیات اور بحرِ مُردار

ڈاکٹر ربیعہ ابرار

تذکیر و موعظت ———— 76

حُبِّ مسلم

حافظ محمد اسد

انوارِ ھدایت ———— 80

نظریۂ توحید اور انسان

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

''میثاق'': تنظیمِ اسلامی کی انقلابی دعوت کا امین

ماہنامہ ''میثاق'' کا اجراء جون ۱۹۵۹ء میں معروف عالم دین مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ومغفور کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ بعدازاں جولائی ۱۹۶۶ء میں اس کی اشاعت کا بیڑا بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اٹھایا۔ ۱۹۷۵ء میں جب تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو میثاق اس انقلابی تحریک کا نقیب قرار پایا۔ اس کے بعد سے آج تک یہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور پاکستان و ہندوستان کے دینی وعلمی حلقوں میں ایک معیاری دینی وتحریکی جریدہ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ جون ۱۹۵۹ء کے پہلے شمارے میں ''تذکرہ وتبصرہ'' کے عنوان سے جو تحریر شائع ہوئی تھی، اس کے آغاز میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے لکھا:

> ''اس رسالے کا نام ''میثاق'' محض اتفاق سے نہیں رکھ لیا گیا بلکہ یہ نام خوب سوچ سمجھ کر انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ نام بہت بڑی حد تک اس مقصد کی تعبیر کرتا ہے جو اس جریدہ کو نکالنے کے پیش نظر ہے۔ قرآن حکیم نے اس قسم کے دو میثاقوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو وہ میثاق ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی آدم کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کی عقل و فطرت سے لیا ہے۔ اس میثاق کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ہے .....
> یہ خدا کی ربوبیت اور اس کی توحید کا میثاق ہے جو ہر انسان کی فطرت سے لیا گیا ہے اور اس پر ہماری عقل اور فطرت دونوں گواہ ہیں۔ دوسرا میثاق وہ ہے جو مذکورہ میثاق کی بنیاد پر اور درحقیقت اسی کے تقاضوں اور مطالبات کو بروئے کار لانے کے لیے ہمارے رب نے اپنے انبیاء اور رسولوں کی وساطت سے ہم سے لیا ہے۔ یہ میثاق حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام پیغمبروں اور رسولوں نے خدا کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی اپنی اُمتوں سے لیا ہے..... قرآن مجید نے ان تمام میثاقوں کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اب یہ میثاق اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے لیا جا رہا ہے۔ اب اس اُمت کے لیے لازم ہے کہ اس میثاق پر خود بھی قائم رہیں اور دوسروں کو بھی اس میثاق میں شامل ہونے کی دعوت دیں اور جو لوگ اس دعوت کو

قبول کرلیں‘ ان کو اس پر قائم رکھنے کے لیے برابر اس کی شہادت دیتے رہیں۔ قرآن مجید اس حقیقت کی یاددہانی سورۃ المائدہ میں ان الفاظ میں کراتا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾

’’اور تم اس فضل کو یاد رکھو جو اللہ نے تم پر فرمایا اور اُس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا‘ جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو‘ بے شک اللہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔‘‘

اور سورۃ الحدید میں فرمایا:

﴿وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

’’اور اللہ نے تم سے میثاق لیا ہے اگر تم مومن ہو۔‘‘

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۲۰۰۹ء میں ماہنامہ ’’میثاق‘‘ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر اسی بات کی یاددہانی ان الفاظ میں فرمائی:

’’خصوصی پیغام تو میرا وہی ہے جو مَیں نے بالکل اپنی جوانی میں سیکھا تھا اور جس پر الحمدللہ مَیں آج تک عمل پیرا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے دین کے ہم سے تین بنیادی تقاضے ہیں۔ سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنی انفرادی زندگی میں شریعت اسلامی کی پوری پابندی کریں اور بندگیٔ رب کا حق ادا کریں۔ اس کے بعد بحیثیت اُمّتِ مُسلمہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ دین کی دعوت وتبلیغ میں اپنا وقت‘ صلاحیت اور قوت صرف کریں۔ پھر اس کے بعد دین کو ایک نظام کی حیثیت سے بالفعل قائم کرنے کی جِدّوجُہد میں مصروف ہو جائیں‘ تاکہ دنیا کے سامنے اس کی ایک مثال آئے کہ اسلام کیا تعلیمات دیتا ہے‘ جو آج کہیں نہیں ہے۔ تو اصل میں جب تک ہم اپنا مقصدِ زندگی اس کو نہیں بنائیں گے کہ ہم نے دین کو قائم کرنے کی جِدّوجُہد کرنی ہے‘ دین کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہوں گے‘ اور یہ ایک انقلابی جِدّوجُہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ پہلے ایک مضبوط اور منظم جماعت ان لوگوں سے وجود میں آئے جن کے دلوں میں یقین والا ایمان موجود ہو اور عمل میں شریعت موجود ہو۔ وہ لوگ پھر کسی سے بیعت کر کے ایک تنظیم کی شکل اختیار کریں.....‘‘

آج بحمداللہ‘ ماہنامہ میثاق اپنی مسلسل اشاعت کے ۶۵ ویں سال میں قدم رکھ چکا ہے۔ گزشتہ ۶۴ سال کے صفحات شاہد ہیں کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو مختلف اسالیب میں

میثاقِ سمع وطاعت کو پورا کرنے کی دعوت دی جاتی رہی ہے۔ یہ ایک مبارک مشن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک ہم سب کو خلوص و اخلاص کے ساتھ یہ مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ماہنامہ میثاق کا یہ خاصہ رہا ہے کہ ''عرضِ احوال'' تحریر کرنے کی ذمہ داری عمومی طور پر تنظیم اسلامی کا مرکزی ناظم نشر و اشاعت ادا کرتا ہے۔ لہٰذا سابقہ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب اپنے ابتدائی دور میں میثاق کے معاون مدیر کے طور پر ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ بعدازاں جب ۲۰۰۱ء میں تنظیم اسلامی کی امارت کا بارِگراں اُن کے کاندھوں پر آن پڑا تو ۲۰۰۳ء میں انہوں نے بانیٔ تنظیم اسلامی سے مشاورت کے بعد ایوب بیگ مرزا صاحب کو مرکزی ناظم نشر و اشاعت کی ذمہ داری تفویض کر دی۔ ایوب بیگ مرزا صاحب پر بانیٔ تنظیم اسلامیؒ کی تحریر و تقریر اور نظریات کا اثر بہت پرانا ہے۔ آپ ۱۹۶۶ء میں بانیٔ تنظیم اسلامیؒ کو سننے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔ بچپن ہی سے تحریر کا شوق تھا۔ ایوب بیگ مرزا صاحب نے تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کی امارت کی ذمہ داری بھی ادا کی۔ آپ راوی ہیں کہ ۱۹۹۵ء میں جب آپ لاہور وسطی تنظیم کے امیر تھے تو ایک دن مزنگ آفس میں بانیٔ تنظیم اسلامیؒ نے پوچھا: ''بیگ صاحب! سنا ہے آپ کچھ لکھ بھی لیتے ہیں؟ آپ نے جواباً عرض کیا: ''ڈاکٹر صاحب! یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی!'' تدریجاً یہ مکالمہ حقیقت کا روپ دھار گیا۔ ایوب بیگ مرزا صاحب راوی ہیں کہ بانیٔ تنظیم اسلامیؒ کے ساتھ مذکورہ گفتگو کے دوران آپ نے اُن سے اپنے لیے خصوصی دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ یہ کام میرے لیے آسان کر دے۔ ایوب بیگ مرزا صاحب کے حق میں ان کے استاد و مربّی کی دعا کی قبولیت کا آنکھوں دیکھا حال ناقابلِ بیان حد تک قابلِ رشک ہے۔

اپریل ۲۰۲۴ء میں موجودہ امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ صاحب نے ایوب بیگ مرزا صاحب کی پیرانہ سالی اور بعض دوسرے عوارض کے باعث یہ ذمہ داری راقم کے سپرد کر دی اور مرزا صاحب کو ملکی اور ملّی معاملات پر اپنا مشیرِ خصوصی مقرر کر دیا۔ اب ماہنامہ میثاق، ہفت روزہ ندائے خلافت اور مرکزی شعبہ نشر و اشاعت کے دیگر انتظامی معاملات کی ذمہ داری راقم کے کاندھوں پر آن پڑی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کی سربلندی کے لیے جِدّ و جُہد کرنے والوں کی مثال اولمپک مشعل برداروں کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو یہ ذمہ داری سونپتا ہے، وہ اسے ادا کرتے رہتے ہیں

جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پھر وہ اپنے حصہ کا کام مکمل کر کے عین اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق نئے تازہ دم ساتھیوں کو یہ مشعل تھما دیتے ہیں۔

مناسب ہوگا کہ راقم لگے ہاتھوں قارئینِ کرام کو اپنا تعارف بھی کرا دے۔

ناچیز کا آبائی تعلق پشاور کی ہندکو بولنے والی برادری سے ہے۔ تقریباً اڑھائی سو سال سے ہمارا خاندان پشاور میں مقیم ہے۔ پشاور کے ایک مقامی عالم دین (سید محمد امیر شاہ قادری الگیلانیؒ المعروف مولوی جی) جو جمعیت العلماء پاکستان کے مرکزی نائب امیر بھی تھے، نے اپنی کتاب ''تذکرہ حُفّاظِ پشاور'' میں اڑھائی سو سال قبل کے ہمارے بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ گھر کا ماحول عام گھرانوں کا سا روایتی مذہبی تھا، البتہ والد صاحب مولانا مودودیؒ سے متاثر تھے اور تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ والد صاحب سرکاری ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر ایک دوست کے کاروبار سے منسلک ہو گئے۔ غالباً ۱۹۷۸ء میں کاروبار کے سلسلہ میں کچھ عرصہ کے لیے لاہور منتقل ہوئے۔ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لیے میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کراتے ہوئے درس سننے کے لیے چلنے کا کہا۔ ہم دونوں نے مسجد شہداء میں درس قرآن سنا۔ وہاں نماز جمعہ کا اعلان ہوا تو ہم مسجد دارُالسلام، باغ جناح جا پہنچے۔ یہ بانیٔ تنظیم اسلامیؒ سے راقم کا پہلا تعارف تھا۔ کالج لائف کا آغاز ہوا تو اسلامی جمعیت طلبہ سے تعارف ہوا اور اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں پر بانیٔ تنظیم اسلامیؒ کا اس زاویہ سے بھی تعارف ہوا کہ وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہ چکے تھے۔ بعد ازاں جب جب ۱۹۸۱ء میں بانیٔ تنظیم اسلامیؒ پشاور کے دوروزہ دورے پر تشریف لائے تو راقم نے بھی ان کے پروگرام میں شرکت کی اور مکتبہ سے کچھ کتب خریدیں۔ تقریباً دو سال بعد اوائل جنوری ۱۹۸۳ء میں جب ڈاکٹر اسرار احمدؒ دوبارہ پشاور کے دورہ پر تشریف لائے تو راقم برادرم مجاہد نسیم کے ہمراہ بیعت کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بانیٔ تنظیم اسلامیؒ نے کچھ گفتگو کے بعد ہم دونوں سے فرداً فرداً بیعت لے لی۔ پشاور میں ایف ایس سی اور گریجوایشن کرنے کے بعد اسلام آباد منتقل ہوا اور کچھ عرصہ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی میں گزارنے کے بعد نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز (اب یونیورسٹی) سے ایم اے (عربی) کیا۔ بعد ازاں پشاور یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامیات) بھی کر لیا۔

۱۹۹۰ء میں اسٹیبلشمنٹ انچارج کی حیثیت سے سعودی ریڈ کریسنٹ سوسائٹی برائے افغان مہاجرین میں کام کیا اور ساتھ کچھ دوسری اضافی ذمہ داریاں بھی انجام دیتا رہا۔ ۲۰۱۰ء

تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران تنظیمی طور پر نقیب اسرہ اور مقامی تنظیم کے امیر کے طور پر ذمہ داریاں انجام دیں۔ ۲۰۱۰ء میں اس وقت کے ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی صاحب سے ملاقات کے بعد تنظیم کے ساتھ ہمہ وقتی کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے امیر حلقہ میجر فتح محمد صاحب کے ساتھ بحیثیت ناظم (نائب امیر) کام کیا اور پھر جنوری ۲۰۱۲ء میں امیر حلقہ کے طور پر تقرر کر دیا گیا۔

۱۷ جولائی ۲۰۱۵ء کو مرکزی ناظم تربیت محترم انجینئر حافظ نوید احمد صاحب کا انتقال ہوا تو ماہ اگست میں سابقہ امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے یہ ذمہ داری قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کا ذکر کیا لیکن ایک نہ چلی۔ چنانچہ جنوری ۲۰۱۶ء میں لاہور منتقل ہو کر بطور مرکزی ناظم تعلیم و تربیت کام شروع کر دیا۔ اب ۸ سال پرانے واقعہ کا اعادہ ہوا اور امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ صاحب نے مرکزی شعبہ نشر و اشاعت کی نظامت سنبھالنے کا تقاضا کیا۔ یہاں بھی ایک نہ چل سکی اور ذمہ داری قبول کرتے ہی بنی۔

میں اپنی سابقہ زندگی میں نہ تو باقاعدہ قلم کا مزدور رہا ہوں، نہ ہی تحریری میدان میں کبھی مستقل طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے ساتھ اپنی بے بضاعتی کا بھی کما حقہ ادراک ہے۔ یہ بھی احساس ہے کہ اپنے پیش رو جیسی سیاسی بصیرت کا بھی حامل نہیں۔ البتہ امید افزا اور حوصلہ کن بات یہ ہے کہ ایوب بیگ مرزا صاحب کی راہنمائی اور عملی تعاون مجھے حاصل ہے۔ ان کی مشفقانہ سرپرستی میرے لیے سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اطمینان کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انتہائی مخلص، باصلاحیت، دینی سمجھ بوجھ اور تنظیمی تقاضوں کا شعور رکھنے والے نیز حالات حاضرہ پر گہری نگاہ رکھنے والے ساتھیوں کی ایک مستعد جماعت کا تعاون بھی میسّر ہے۔ صدق دل سے یہ دعا ہے کہ ''رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ''۔ قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ دعا کریں کہ میں اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھا سکوں۔ ؎

مَیں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
مَیں ہوں خزف تو تُو مجھے گوہرِ شاہوار کر!

❁❁❁

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی

تمہیدی کلمات

سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ مل کر جوڑا بناتی ہیں۔ حضور ﷺ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی پہلی رکعت میں اکثر سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے اس انتخاب کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں تذکیر کا خصوصی حکم ہے (سورۃ الاعلیٰ' آیت ۹ اور سورۃ الغاشیہ' آیت ۲۱) جبکہ ان دونوں نمازوں میں بھی تذکیر کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں مواقع پر خطبات کا اہتمام خصوصی طور پر تذکیر کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪﴿۲﴾ وَالَّذِيْ
قَدَّرَ فَهَدٰى ۪﴿۳﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۪﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً
اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ
الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ؕ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ
الذِّكْرٰى ؕ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾
الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ؕ﴿۱۳﴾
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ﴿۱۵﴾ بَلْ
تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۖ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا
لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

آیت ۱ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ①﴾ ’’پاکی بیان کرو اپنے ربّ کے نام کی جو بہت بلند و بالا ہے۔‘‘

یہ حکم یوں بھی ہو سکتا تھا کہ ’’اپنے ربّ کی پاکی بیان کرو‘‘ لیکن یہاں خصوصی طور پر اسم (نام) کا لفظ اس لیے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے تصوّر سے وراء الوراء‘ ثم وراء الوراء ہے۔ اُس کی ذات کے ساتھ ہمارا ذہنی و قلبی تعلق صرف اور صرف اُس کے ناموں کے حوالے سے ہے۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪﴾ (الاعراف: ۱۸۰) ’’اور تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں‘ تو پکارو اُسے اُن (اچھے ناموں) سے‘‘۔ چنانچہ ہم انسان اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں یا اُس کی تسبیح و تحمید کرنا چاہیں تو ظاہر ہے اس کے اسماء کے حوالے سے ہی کر سکتے ہیں۔

آیت ۲ ﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ②﴾ ’’جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا‘ پھر تناسب قائم کیا۔‘‘

آیت ۳ ﴿وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③﴾ ’’اور جس نے (ہر شے کا) اندازہ مقرر کیا‘ پھر اسے (فطری) ہدایت عطا فرمائی۔‘‘

ان چار الفاظ (خَلَقَ‘ فَسَوّٰی‘ قَدَّرَ‘ فَهَدٰی) میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان بھی ہے اور تخلیقی عمل کے مختلف مراحل کا ذکر بھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کے حوالے سے تین اسمائے حسنیٰ (اَلْخَالِقُ‘ اَلْبَارِئُ‘ اَلْمُصَوِّرُ) کا ایک ساتھ ذکر قبل ازیں سورۃ الحشر کی آخری آیت میں بھی آ چکا ہے۔ سورۃ الحشر کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفات ایک خاص منطقی ترتیب سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ ترتیب دراصل تخلیقی عمل کے مرحلہ وار ارتقاء کی نشاندہی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے کسی چیز کا نقشہ یا نمونہ بناتا ہے‘ اس لحاظ سے وہ اَلْخَالِقُ ہے۔ پھر وہ مطلوبہ چیز کو طے شدہ نمونے کے مطابق عدم سے عالمِ وجود میں ظاہر فرماتا ہے‘ اس اعتبار سے وہ اَلْبَارِئُ ہے۔ تیسرے مرحلے میں وہ اس تخلیق کو ظاہری صورت یا شکل عطا فرماتا ہے‘ اس مفہوم میں وہ اَلْمُصَوِّرُ ہے۔

سورۃ الحشر کی مذکورہ آیت میں تخلیقی عمل کے جن تین مراحل کا ذکر ہوا ہے ان کا تعلق چیزوں کے ظاہری یا مادی وجود سے ہے‘ جبکہ زیر مطالعہ آیات میں مادّی وجود کی تخلیق کے ساتھ ساتھ چیزوں کے باطنی خصائص کی تخلیق کا ذکر بھی ہے۔ (خَلَقَ فَسَوّٰی کے الفاظ میں

چیزوں کے مادّی وجود کی تخلیق کے مراحل کا بیان ہے‘ جبکہ قَدَّرَ فَھَدٰی کے الفاظ کسی تخلیق کے باطنی پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔)

اب ہم ان الفاظ کے معانی و مفہوم کو انسانی ماحول کی مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے دو مراحل (تخلیق اور تسویہ) کو ایک عمارت کی مثال کے حوالے سے یوں سمجھئے کہ کسی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کر دینا اُس کی ’’تخلیق‘‘ ہے‘ جبکہ اُس کو سجانا‘ سنوارنا (finishing) وغیرہ اس کا ’’تسویہ‘‘ ہے۔ تخلیق کا تیسرا مرحلہ جس کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ ’’قدر‘‘ ہے۔ قدر کے لغوی معنی اندازہ مقرر کرنے کے ہیں‘ جسے عرفِ عام میں ہمارے ہاں تقدیر کہا جاتا ہے۔ اس مفہوم میں کسی تخلیق کے معیار‘ اس کی صلاحیت‘ استعداد اور حدود (limitations) سمیت جملہ خصوصیات کو اس کی قدر یا تقدیر کہا جائے گا۔ مثلاً انسان اشرف المخلوقات تو ہے لیکن وہ ہوا میں اُڑنے سے معذور ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی چڑیا آسانی سے ہوا میں اُڑتی پھرتی ہے۔ تو گویا ہوا میں اڑنے کی یہ صلاحیت رکھنا چڑیا کی تقدیر کا خاصہ ہے اور اس اعتبار سے معذور ہونا انسان کی تقدیر کا حصّہ ہے۔ اس کے بعد تخلیق کے اگلے مرحلے کے طور پر یہاں ’’ہدایت‘‘ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد وہ فطری اور جبلی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو پیدائشی طور پر عطا کر رکھی ہے۔ اسی ’’ہدایت‘‘ کی روشنی میں بکری کو معلوم ہوا ہے کہ اسے گھاس کھانا ہے اور شیر جانتا ہے کہ اس کی غذا گوشت ہے۔ غرض ہر جاندار اپنی زندگی اسی طریقے اور اسی لائحۂ عمل کے مطابق گزار رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طے کر دیا ہے۔

تخلیق کے ان چار مراحل کے حوالے سے اگر ہم انسانی زندگی کا جائزہ لیں تو پہلے دو مراحل یعنی تخلیق اور تسویہ کے اعتبار سے تو انسان میں اور اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اگلے دو مراحل (تقدیر اور ہدایت) کے حوالے سے انسان کا معاملہ دوسری مخلوقات سے الگ ہے۔ اس لحاظ سے ہر انسان کی قدر‘ صلاحیت اور استعداد اللہ تعالیٰ کے ہاں دو طرح سے طے پاتی ہے۔ اس کا ایک پہلو یا ایک حصّہ تو وہ ہے جو اسے پیدائشی طور پر جینز (genes) کی صورت میں عطا ہوا (given) ہے اور دوسرا پہلو یا دوسرا حصّہ اس کے ماحول کا ہے جس میں وہ آنکھ کھولتا اور پرورش پاتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کے اچھے برے اور مثبت و منفی عوامل کے ملنے سے ہر انسان کی شخصیت کا ایک سانچہ تیار ہوتا ہے جسے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۴ میں ’’شاکلہ‘‘ کا نام

دیا گیا ہے۔(سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت کے تحت اس اصطلاح کی وضاحت کی جا چکی ہے۔) اسی سانچہ یا شاکلہ سے ہر انسان کی استعداد کی حدود متعین ہوتی ہیں۔ اور کوئی انسان انگریزی محاورہ "one cannot out grow ones skin" (کوئی انسان اپنی کھال سے باہر نہیں نکل سکتا) کے مصداق ان حدود سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہر انسان نیکی کرے گا تو اپنی اسی استعداد کے مطابق کرے گا اور اگر برائی کمائے گا تو انہی حدود کے اندر رہ کر ایسا کرے گا۔ غرض ہر انسان کی عملی زندگی کی ساری محنت' کوشش اور بھاگ دوڑ اپنے شاکلہ کے مطابق ہی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جانچ (evaluation) بھی اسی حوالے سے کی جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کی صلاحیت پچاس درجے تک پہنچنے کی تھی' اگر وہ چالیس درجے تک پہنچ گیا تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کامیاب قرار پائے۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص جو سو درجے تک جانے کی استعداد رکھتا تھا' وہ ممکن ہے پچاس درجے تک پہنچنے کے بعد بھی ناکام رہے۔ بہرحال اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ایک اصول طے فرما دیا کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اللہ تعالیٰ نہیں ذِمّہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔''

اسی طرح انسان کی ''ہدایت'' کے بھی دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ تو جبلی ہدایت کا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو جبلی ہدایت سے نواز رکھا ہے اسی طرح اُس نے ہر انسان کو بھی فطری اور جبلی طور پر ہدایت کا ایک حصّہ عطا فرمایا ہے۔ جبکہ انسان کی ہدایت کا دوسرا حصّہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے وحی کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت میں پہلے سے ودیعت شدہ بنیادی ہدایت کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیغمبر بھی بھیجے اور کتابیں بھی نازل کیں۔

آیت ۴ ﴿وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴﴾ ''اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا۔''

آیت ۵ ﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵﴾ ''پھر اس کو کر دیا سیاہ چُورا۔''

یعنی اُسی کے طے کردہ نظام کے تحت گھاس اور نباتات وغیرہ زمین سے اُگتے ہیں اور پھر گل سڑ کر ختم ہو جاتے ہیں۔

آیت ۶ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو پڑھا دیں گے'

پھر آپ بھولیں گے نہیں۔‘‘

یعنی قرآن مجید میں سے کوئی چیز آپ کو بھولے گی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ القیامہ کی ان آیات میں آیا ہے: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾﴾ ’’آپؐ اس (قرآن) کے ساتھ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیں۔ اسے جمع کرنا اور پڑھوا دینا ہمارے ذِمّہ ہے۔ پھر جب ہم اسے پڑھوا دیں تو آپ اس کی قراءت کی پیروی کیجیے۔‘‘

آیت ۷ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ’’سوائے اُس کے کہ جو اللہ چاہے۔‘‘

یہاں یہ کلمہ استثناء صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کے لیے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے‘ اُس کے حکم اور اذن کے بغیر کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے حافظہ سے کوئی چیز محو کرنا چاہے تو وہ لاکھ اسے یاد کرتا رہے‘ یاد نہیں رکھ سکے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت حضور ﷺ بھول بھی گئے تھے۔ اس لحاظ سے اس جملے کی مثال سورۃ الزخرف کی اس آیت جیسی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہیے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلا اُس کی عبادت کرنے والا مَیں ہوتا‘‘۔ ظاہر ہے یہ کلام پرزور دینے کا ایک انداز ہے اور اس کا مقصد انتہائی پُرزور انداز میں یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا۔

﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿۷﴾﴾ ’’یقیناً وہ جانتا ہے اونچی آواز میں کہی گئی بات کو بھی اور جو مخفی رکھی جائے اسے بھی۔‘‘

آیت ۸ ﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿۸﴾﴾ ’’اور ہم رفتہ رفتہ پہنچائیں گے آپؐ کو آسانی تک۔‘‘

تَیْسِیْر یُسر سے بابِ تفعیل ہے۔ اس باب میں تدریج کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم مشکلات میں سے رفتہ رفتہ آپ کے لیے راستہ بناتے چلے جائیں گے اور اس آسان راستے پر آپؐ کو تدریجاً ایک بڑی آسانی کی طرف لے جائیں گے۔ اس سے مراد اس دنیا میں غلبۂ دین کی جِدّوجُہد کی کامیابی اور آخرت میں جنّت اور اس کی آسائشیں ہیں۔ ہم چاہیں تو آنِ واحد میں آپؐ کے تمام دشمنوں کو آپؐ کے سامنے سرنگوں کر دیں اور تمام جن

وانس کو ایمان کی توفیق بخش دیں‘ لیکن ہماری حکمت اور مشیت میں اس معاملے کی ایک تدریج ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ کی جدّوجُہد کو مرحلہ وار اور رفتہ رفتہ کامیابی سے ہمکنار کریں گے۔ اس فلسفے کی مزید وضاحت آگے چل کر سورۃ الشّمس میں آئے گی۔

آیت ۹ ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹﴾ ’’تو آپؐ یاد دہانی کراتے رہیے‘ اگر یاد دہانی فائدہ دے۔‘‘

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ انذار و تذکیر کا فریضہ تبھی سرانجام دیں جب مخاطب کو اس سے کچھ فائدہ ہو رہا ہو یعنی وہ اس تذکیر کا اثر قبول کر رہا ہو۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس حوالے سے وضاحت کر دی گئی ہے۔

آیت ۱۰ ﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰﴾ ’’وہ نصیحت حاصل کر لے گا جو ڈرتا ہے۔‘‘

اے نبی ﷺ! آپ لوگوں کو تذکیر و نصیحت کرتے جایئے‘ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا وہ اس کا اثر ضرور قبول کرے گا اور اسے فائدہ بھی ہوگا۔ چنانچہ جب بھی آپ پر کوئی نئی وحی آئے تو آپ وہ نیا کلام پڑھ کر لوگوں کو ضرور سنائیں۔ آپؐ کے اہلِ ایمان ساتھیوں کے علم اور ایمان میں اس سے ضرور اضافہ ہوگا۔

آیت ۱۱ ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱﴾ ’’البتہ جو شقی (بدبخت) ہے وہ اس سے پہلوتہی کرے گا۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲﴾ ’’جو (آخرکار) داخل ہوگا بڑی آگ میں۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳﴾ ’’پھر نہ اس میں وہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔‘‘

جہنّم کی یہی خصوصیت سورۃ المدثر میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہے: ﴿لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝۲۸﴾ ’’وہ انسان کو نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ ہی اسے چھوڑے گی۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴﴾ ’’یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جس نے خود کو پاک کر لیا۔‘‘

ان آیات میں بہت اہم اور بنیادی نوعیت کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ اگلی سورتوں میں مختلف مقامات پر ان مضامین کی مزید وضاحت آئے گی۔ تَزَکّٰی سے مراد یہاں روح کی پاکیزگی ہے۔ بنیادی طور پر انسان کی روح بہت بلند اور اعلیٰ چیز ہے۔ سورۃ التین کی اس آیت میں

دراصل انسان کی روح کی تخلیق ہی کا ذکر ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴﴾ کہ ہم نے انسان کو بہت عمدہ تخلیق پر بنایا ہے۔ لیکن جب اس روح کو جسدِ حیوانی میں قید کر کے دنیا میں بھیجا گیا تو وقتی طور پر روح اپنے اعلیٰ مقام سے گر کر پستی میں چلی گئی‘ جس کا ذکر سورۃ التین کی اگلی آیت میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵﴾ کہ پھر ہم نے اس کو پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیا۔ چنانچہ انسان کی دُنیوی زندگی کا اصل ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود کو پستی سے نکال کر دوبارہ بلندی کی طرف لے جائے۔ اگر تو اس نے یہ ہدف حاصل کر لیا تو وہ کامیاب ہے ورنہ ناکام۔ اس کامیابی کے لیے اسے ایک طرف جسدِ حیوانی کے داعیات یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو دبانا ہوگا اور دوسری طرف اپنی روح کو زیادہ سے زیادہ غذا فراہم کرنے کا سامان کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے حیوانی داعیات کمزور ہوں گے تو تبھی روح کو تقویت ملے گی۔ ماہِ رمضان کے چوبیس گھنٹے کے معمولات کے ذریعے سے اہلِ ایمان کو دراصل اسی ’’دو طرفہ‘‘ پروگرام کی مشق کرائی جاتی ہے کہ دن کو روزہ رکھ کر حیوانی جسم اور اس کے داعیات کو کمزور کرو اور رات کو قیام اللیل کے دوران انوارِ قرآن کی بارش سے اپنی روح کو سیراب کرو‘ تاکہ تمہاری روح کو ترفع اور اللہ کا قرب حاصل ہو سکے۔ یہ ہے تزکّی کا اصل مفہوم اور اس کا بنیادی فلسفہ۔

آیت ۱۵ ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵﴾ ’’اور اُس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔‘‘

اس آیت کے الفاظ کی عملی تصویر جمعہ کا اجتماع ہے۔ اجتماعِ جمعہ میں بھی پہلے خطبہ کی صورت میں اللہ ربّ العزت کا ذکر کیا جاتا ہے‘ پھر نماز پڑھی جاتی ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں اجتماعِ جمعہ کے حوالے سے حضور ﷺ کا یہ معمول نقل ہوا ہے:

كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خُطْبَتَانِ كَانَ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا‘ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ (۱)

’’اللہ کے رسول ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے‘ ان کے دوران آپؐ بیٹھا کرتے تھے۔

۱۔ صحيح مسلم‘ كتاب الجمعة‘ باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة وما فيهما من الجلسة۔ وسنن ابی داؤد‘ كتاب الصلاة‘ باب الخطبة قائمًا‘ ح: ۱۰۹۴۔ راوی: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ۔

آپؐ قرآن حکیم پڑھ کر سناتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے۔‘‘

حضور ﷺ کے دونوں خطبات بہت مختصر ہوتے تھے۔ اس لیے صاف ظاہر ہے کہ ان کے درمیان حضور ﷺ تھکان کی وجہ سے تو نہیں بیٹھتے تھے۔ میری رائے اس حوالے سے یہ ہے کہ یہ دو خطبات نمازِ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ (نمازِ ظہر میں فرضوں کی چار رکعتیں ہیں جبکہ نماز جمعہ میں دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں) چنانچہ اس دوران حضور ﷺ کا بیٹھنا دراصل اپنے خطاب کو باقاعدہ دو خطبوں کی شکل دینے کے لیے ہوتا تھا۔ ان خطبات میں‘ جیسا کہ حدیث میں ذکر ہوا ہے‘ حضور ﷺ آیاتِ قرآنی کے ذریعے تذکیر فرماتے تھے۔ آپؐ کے تمام سامعین چونکہ قرآن کی زبان کو بخوبی سمجھتے تھے اس لیے ’’از دل خیزد بر دل ریزد‘‘ کے مصداق قرآن مجید کا مفہوم بغیر کسی وضاحت اور تشریح کے دلوں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں چونکہ عام سامعین عربی خطبہ کو نہیں سمجھ سکتے اس لیے ان کی تذکیر کے لیے خطبہ سے پہلے ’’خطاب‘‘ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اجتماعِ جمعہ کے موقع پر ذکر و تذکیر کی اسلام میں کیا اہمیت ہے‘ اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوتا ہے۔ اجتماعِ جمعہ میں بروقت حاضری کو یقینی بنانے کی ترغیب دیتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ الْمَلَائِكَةُ ، يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ ، فَاِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ، وَجَاؤُوا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ))[۲]

’’جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے دروازوں میں سے ہر دروازے پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں‘ وہ پہلے آنے والوں کو پہلے لکھتے ہیں۔ پھر جب امام (منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر سمیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔‘‘

حضور ﷺ کے دوسرے فرمان میں جمعہ کے لیے جلدی مسجد آنے والوں کے لیے درجہ بدرجہ فضیلت کی وضاحت بھی ملتی ہے:

((مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ

۲۔ صحیح البخاری‘ کتاب بدء الخلق‘ باب ذکر الملائکۃ‘ ح:۳۲۱۱۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الجمعۃ‘ باب فضل التھجیر یوم الجمعۃ‘ ح:۸۵۰۔

الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دُجَاجَةً ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً ، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ)) (۳)

''جو آدمی جمعہ کے دن غسلِ جنابت (کی طرح اہتمام کے ساتھ غسل) کرے پھر وہ صبح صبح مسجد میں جائے تو وہ اس طرح ہے گویا اس نے ایک اونٹ قربان کیا' اور جو آدمی دوسری ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک گائے قربان کی' اور جو آدمی تیسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک سینگوں والا مینڈھا قربان کیا' اور جو چوتھی ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک مرغی قربان کی' اور جو پانچویں ساعت میں گیا تو گویا اُس نے ایک انڈا قربان کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا۔ پھر جب امام (خطبہ کے لیے) نکلے تو فرشتے بھی (اندراج کا سلسلہ ختم کر کے) ذکر سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔''

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے لفظ ''ساعت'' کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے اس ضمن میں یہ ہے (ذاتی طور پر مجھے اس رائے سے اختلاف ہے) کہ اس لفظ کا تعلق وقت کی ظاہری تقسیم سے نہیں بلکہ ان ''ساعتوں'' سے مخفی ساعتیں مراد ہیں۔ البتہ اس حدیث میں جس خطبہ کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد مسنون خطبہ ہے۔ اس حکم کا اطلاق ہمارے ائمہ اور خطباء کی مقامی زبانوں میں کی جانے والی تقاریر پر نہیں ہوتا۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد حاضری کا اندراج نہ ہونے کے حوالے سے شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کے بعد آنے والے جمعہ کی فضیلت سے محروم رہیں گے' البتہ ان کے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی' حتیٰ کہ اگر کوئی شخص خطبہ کے دوران بھی شامل ہو گا تو فرض کی ادائیگی کی حد تک اس کی حاضری بھی قبول سمجھی جائے گی۔

آیت ۱۶ ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶﴾ ''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔''

دراصل انسان کی اُخروی کامیابی یا ناکامی کا تمام تر انحصار اس کی ترجیحات پر ہے۔ اگر تو وہ اپنے معاملات کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے آخرت کی کامیابی کو مقدم رکھتا ہے اور دنیوی مفادات کے حوالے سے قناعت پسندی کی حکمت عملی پر کاربند رہتا ہے تو وہ کامیاب ہے اور اگر اس کا معاملہ اس کے برعکس ہے تو اس کا راستہ تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ اس آیت میں اس

۳۔ صحیح مسلم' کتاب الجمعۃ' باب الطیب والسواک یوم الجمعۃ۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الطہارۃ' باب فی الغسل یوم الجمعۃ۔

حوالے سے ہم جیسے دنیادار مسلمانوں کے اصل مرض کی نشاندہی کر دی گئی ہے کہ ہم دنیوی زندگی کے مفادات کو آخرت کے معاملات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا نفع اور نقصان ہمیں نقد نظر آتا ہے جبکہ آخرت کی راحت اور تکلیف ہمیں سامنے نظر نہیں آتی۔ اس لیے دنیا کا معمولی سا مفاد ہم آخرت کے بہت بڑے عذاب کے بدلے میں بھی حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء کی آیت ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ جو لوگ ظلم و زیادتی سے یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ لیکن آج دنیا میں جو کوئی ایسا مال کھاتا ہے اُسے ایسا کرتے ہوئے تو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ آگ کے انگارے پیٹ میں بھر رہا ہے' اس لیے جب وہ ایسے مال کو اپنی پہنچ میں دیکھتا ہے تو اسے غصب کرنے سے باز نہیں رہتا۔ انسان کی اس طبعی اور جبلی کمزوری یا خامی کا ذکر سورۃ القیامہ میں بایں الفاظ آیا ہے:
﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾﴾ ''ہرگز نہیں! اصل میں تم لوگ عاجلہ (جلد ملنے والی چیز) سے محبّت کرتے ہو۔ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

آیت ۱۷ ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾﴾ ''جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔''

آیت ۱۸ ﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾﴾ ''یقیناً یہی بات اگلے صحیفوں میں بھی (درج) ہے۔''

یعنی تذکیر اور ہدایت کا اصل جوہر اور خلاصہ یہی ہے کہ انسان آخرت کو دنیا پر ترجیح دے' کیونکہ دنیا فانی اور وقتی ہے جبکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ ہدایت کے حوالے سے یہ بنیادی نکتہ پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی مذکور تھا۔

آیت ۱۹ ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾﴾ ''(یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف تو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں' البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا آج بظاہر کہیں نشان نہیں ملتا۔ اس حوالے سے میری رائے یہ ہے اور مَیں اپنی اس رائے کا اظہار قبل ازیں بھی متعدد بار کر چکا ہوں کہ ہندوؤں کے اُپنشد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ ❁

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢
عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ
اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا
يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩
فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢
فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّ نَمَارِقُ
مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ
كَيْفَ خُلِقَتْ ۝١٧ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝١٨ وَ اِلَى الْجِبَالِ
كَيْفَ نُصِبَتْ ۝١٩ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝٢٠ فَذَكِّرْ ۗ
اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝٢١ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝٢٢ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ
كَفَرَ ۝٢٣ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝٢٤ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝٢٥
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝٢٦

آیت ۱ ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١﴾ ’’کیا پہنچ چکی ہے آپؐ کے پاس اس ڈھانپ لینے والی (آفت) کی خبر؟‘‘

یعنی قیامت کی خبر، جو پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

آیت ۲ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢﴾ ’’بہت سے چہرے اُس دن ذلیل ہوں گے۔‘‘

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ القیامہ اور سورۂ عبس میں بھی آ چکا ہے۔ سورۃ القیامہ میں اس صورتِ حال کا نقشہ یوں دکھایا گیا ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝٢٢ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝٢٣

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ ۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ ’’کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے‘ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور کچھ چہرے اُس دن افسردہ ہوں گے۔ خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہونے والا ہے‘‘۔ جبکہ سورۂ عبس میں یہی کیفیت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ ’’اُس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے۔ مسکراتے ہوئے خوش وخرم۔ اور کچھ چہرے اُس دن غبار آلود ہوں گے۔ اُن پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔‘‘

آیت ۳ ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾﴾ ’’مشقت زدہ‘ تھکے ماندے۔‘‘

آیت ۴ ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾﴾ ’’وہ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔‘‘

آیت ۵ ﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾﴾ ’’انہیں پلایا جائے گا پانی ایک کھولتے ہوئے چشمے سے۔‘‘

آیت ۶ ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾﴾ ’’نہیں ہوگا ان کے لیے کھانے کو کچھ بھی سوائے خاردار جھاڑیوں کے۔‘‘

آیت ۷ ﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾﴾ ’’جو نہ تو موٹا کرے اور نہ ہی بھوک مٹائے۔‘‘

اسے کھانے سے نہ تو انہیں کوئی تقویت ملے گی اور نہ ہی بھوک کا احساس ختم ہوگا۔ کسی بھی غذا کے یہی دو فائدے ہوتے ہیں‘ لیکن اہلِ جہنّم کو اس کھانے سے ان میں سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگلی آیات میں نیک لوگوں کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے:

آیت ۸ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾﴾ ’’بہت سے چہرے اُس روز تروتازہ ہوں گے۔‘‘

ان کے چہرے ناز و نعمت میں پلے بڑھے لوگوں کے چہروں کی طرح بارونق ہوں گے۔

آیت ۹ ﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾﴾ ’’وہ اپنی کوشش (کے نتائج) پر راضی ہوں گے۔‘‘

وہ لوگ اپنی دُنیوی زندگیوں میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے رہے تھے اور آخرت کی کامیابی کے لیے مسلسل کوشاں بھی تھے۔ چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی کوششیں اور محنتیں قبول فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَنْ اَرَادَ

الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ ’’اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہو اور اس کے لیے اس کے شایانِ شان کوشش کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو یہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر افزائی کی جائے گی۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾﴾ ’’(وہ ہوں گے) عالی مقام جنت میں۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾﴾ ’’وہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔‘‘

وہاں انہیں کوئی ایسی فضول یا غلط بات سنائی نہیں دے گی جس سے انہیں کوفت ہو۔

آیت ۱۲ ﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اس میں ایک چشمہ ہے بہتا ہوا۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾﴾ ’’اس میں اونچے اونچے تخت ہیں۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور جام قرینے سے رکھے ہوئے۔‘‘

آیت ۱۵ ﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾﴾ ’’اور قالین بچھے ہوئے صف در صف۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور مخمل کے نہالچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے۔‘‘

اگلی چار آیات قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہیں جو بقول علامہ اقبال شعوری مشاہدے پر زور دیتی ہیں کہ چیزوں کو دیکھو‘ ان پر غور کرو اور اپنی عقل اور منطق کے مطابق ان سے نتائج اخذ کرو۔ ظاہر ہے عقل‘ شعور اور حواس کی صلاحیتیں انسان کو اسی لیے دی گئی ہیں کہ اپنی زندگی میں وہ ان سے کام لے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾﴾ (بنی اسرائیل) ’’اور مت پیچھے پڑو اُس چیز کے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں۔ یقیناً سماعت‘ بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی‘‘۔ واضح رہے کہ علم کے میدان میں یہ سائنٹیفک رجحان قرآن مجید نے متعارف کرایا ہے۔ مطلب یہ کہ انسان ہر چیز کو پہلے عقل کی کسوٹی پر پرکھے اور پھر کوئی رائے قائم کرے۔ عقل سے ماوراء صرف الہامی علم ہے۔ اس لیے وحی کی سند کے بغیر انسان کوئی ایسی بات تسلیم نہ کرے جس کے پیچھے کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہ ہو۔ قرآن مجید کا عطا کردہ یہی وہ اندازِ فکر ہے جس نے ہر قسم کی توہم پرستی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔

آیت ۱۷ ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾﴾ ’’تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹوں کو کہ انہیں کیسے بنایا گیا ہے!‘‘

کیا یہ لوگ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے؟ اور نہیں تو یہ اونٹ کی تخلیق کو ہی دیکھ لیتے کہ اس جانور کے جسم کی ریگستان کے ماحول کے ساتھ کس قدر ہم آہنگی ہے۔ ریگستان کی گرمی میں یہ کئی کئی دن کھائے پیے بغیر چلتا رہتا ہے۔ اس کے پاؤں ایسے بنائے گئے ہیں کہ ریت میں نہیں دھنستے۔

آیت ۱۸ ﴿وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸﴾ ''اور (کیا یہ دیکھتے نہیں) آسمان کو کہ کیسے بلند کیا گیا ہے!''

یہ ماہرینِ فلکیات کے لیے صلائے عام ہے کہ وہ اس میدان میں تحقیق کر کے ستاروں اور کہکشاؤں کی دنیا کے اسرار و رموز معلوم کریں۔

آیت ۱۹ ﴿وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹﴾ ''اور (کیا یہ دیکھتے نہیں) پہاڑوں کو کہ کیسے گاڑ دیے گئے ہیں!''

پہاڑوں کی بناوٹ اور کرۂ ارضی پر ان کے اثرات وغیرہ کے بارے میں تحقیق کرنا ماہرینِ ارضیات کا کام ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰﴾ ''اور (کیا یہ دیکھتے نہیں) زمین کی طرف کہ کیسے بچھا دی گئی ہے!''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی آفاقی نشانیوں میں سے چند نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مضمون قرآن میں بار بار آیا ہے لیکن ان آیات میں خصوصی طور پر قرآن مجید کے مخاطبینِ اوّلین سے خطاب ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں سرزمینِ حجاز کے باشندوں کا زیادہ تر وقت صحرائی مسافتوں میں گزرتا تھا' جیسا کہ سورۂ قریش کی آیت ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ اپنے سفروں کے دوران جس ماحول سے ان لوگوں کا دن رات واسطہ رہتا تھا ان آیات میں اسی ماحول کی چار چیزوں کو گنوا کر انہیں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ یعنی ایک وہ اونٹ جو ان کے صحرائی سفر کی واحد سواری تھی' اوپر آسمان' نیچے زمین اور اطراف و جوانب میں پہاڑی سلسلے۔ یہ تھا وہ ماحول جس میں عام طور پر ان لوگوں کے شب و روز گزرتے تھے۔

بہرحال قرآن مجید کی ایسی تمام آیات صاحبِ شعور انسانوں کو دعوتِ فکر دیتی ہیں کہ تم لوگ ان مظاہرِ فطرت کو غور سے دیکھا کرو۔ ان میں سے ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کی

صناعی وخلاقی کا نمونہ ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں (یا دریاؤں میں) لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں اور اُس پانی میں کہ جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہر قسم کے حیوانات (اور چرند پرند) اس کے اندر پھیلا دیے اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو معلق کر دیے گئے ہیں آسمان اور زمین کے درمیان یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

اسی حقیقت کو شیخ سعدیؒ نے اپنے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقش دفترے است معرفت کردگار!

کہ ایک صاحبِ شعور انسان کے لیے سبز درختوں کا ایک ایک پتّا گویا معرفتِ خداوندی کا دفتر ہے۔ شیخ سعدیؒ نے تو اپنے زمانے میں یہ بات اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر کہی تھی لیکن آج سائنسی تحقیق سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سبز درختوں کا ایک ایک پتّا دراصل photosynthesis کی فیکٹری ہے۔ یہ فیکٹریاں سارا دن آکسیجن بنانے اور سورج کی روشنی کو جذب کر کے درختوں کی لکڑی کی طرف منتقل کرنے میں مصروف رہتی ہیں۔

ظاہر ہے یہ صفحات ایسی مثالوں کی تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس حوالے سے انسان کے سمجھنے کی اصل بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کو محض حیوانی آنکھ سے نہیں بلکہ عقل اور شعور کی نظر سے دیکھے۔ علّامہ اقبال نے اس حوالے سے ''زبورِ عجم'' میں کیا پتے کی بات کہی ہے:

دم چیست؟ پیام است! شنیدی نہ شنیدی! در خاکِ تو یک جلوۂ عام است، ندیدی!
دیدن دگر آموز، شنیدن دگر آموز!

کہ اے غافل انسان! تمہارا ہر سانس اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے۔ کیا تم نے اس پیغام کو کبھی سنا؟ نہیں سنا! اور تمہاری اس خاک (حیوانی جسم) کے اندر ایک جلوۂ ربانی (نورانی روح) بھی پوشیدہ ہے' لیکن تم نے اس جلوے کو کبھی دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ چنانچہ تمہیں چاہیے کہ تم اس کائنات کی چیزوں کو حیوانی آنکھوں سے دیکھنا اور حیوانی کانوں سے سننا چھوڑو اور انسانوں کا سا دیکھنا اور سننا سیکھو۔ تم اشرف المخلوقات ہو' تمہیں اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور سمیت بہت سی اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے' ان صلاحیتوں کو استعمال میں لاؤ۔ مظاہر فطرت اور دوسری چیزوں کو دیکھو اور ان پر غور کرو: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرۃ:۲۹) یہ زمین پر جو کچھ ہے سب اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ ان چیزوں پر تحقیق کرو' نئے نئے قوانینِ فطرت کو تلاش کرو' انہیں کام لاؤ۔ تمہیں زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت عطا ہوئی ہے۔ اس حیثیت سے خود زمین' اس پر موجود تمام چیزیں' یہ ہوائیں' یہ فضائیں' ستارے' سیارے' کہکشائیں سب تمہارے لیے مسخر ہیں۔ یاد رکھو! اگر تم عقل و شعور سے کام لو گے تو ان پر حکومت کرو گے' لیکن اگر تم توہمات میں پڑ جاؤ گے تو ان چیزوں کے غلام بن جاؤ گے۔

آیت ۲۱ ﴿فَذَكِّرْ ۫ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ یاد دہانی کراتے رہیے' آپ تو بس یاد دہانی کرانے والے ہیں۔''

آیت ۲۲ ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾﴾ ''آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں۔''

آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف تذکیر اور نصیحت تک ہے' کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لانا آپؐ کا کام نہیں ہے۔

آیت ۲۳ ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾﴾ ''مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا۔''

آیت ۲۴ ﴿فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾﴾ ''تو اُس کو اللہ عذاب دے گا سب سے بڑا عذاب۔''

بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا کلام اور پیغام اپنی بے داغ اور مثالی سیرت کی گواہی کے ساتھ اُمّت تک اس انداز میں پہنچا دیا ہے کہ حق کو سمجھنے کے بارے میں کہیں کوئی ابہام نہیں رہا۔ اب اس کے بعد بھی جو شخص حق سے منہ موڑے گا تو وہ گویا حق کو حق سمجھتے ہوئے اسے ٹھکرائے گا اور اس سے یہی ثابت ہوگا کہ اس کے اندر بھلائی اور خیر کی کوئی رمق موجود ہی نہیں۔

چنانچہ ایسا ہر شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید ترین عذاب کا مستحق ہے۔

آیت ۲۵ ﴿اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ﴿۲۵﴾﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) ان سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

آیت ۲۶ ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ﴿۲۶﴾﴾ ''پھر ان کا حساب ہمارے ذِمّہ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تذکیر اور یاد دہانی کے حوالے سے اپنا فرض ادا کرتے جایئے۔ ان کی جواب دہی اور حساب کا معاملہ آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ یہ وہی انداز اور اسلوب ہے جو اس گروپ کی سورتوں میں قبل ازیں بھی کئی بار آ چکا ہے۔ اس دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں مشرکین کو مہلت دینے کا ذکر بہت خصوصیت کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً سورۃ المزمل میں فرمایا گیا: ﴿وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَمَہِّلۡہُمۡ قَلِیۡلًا ﴿۱۱﴾﴾ ''آپؐ مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں' جو بڑی نعمتوں سے نوازے گئے ہیں اور ابھی آپؐ انہیں کچھ مہلت دیں''۔ اسی طرح سورۃ الطارق کی آخری آیت میں بھی یہ مضمون خصوصی اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔ اس آیت میں اس مفہوم کے دو صیغے (مَھِّلۡ ' اَمۡھِلۡ) باب تفعیل اور باب افعال سے آئے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ ''ان سب کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا ہے۔ پھر ان کا حساب ہمارے ذِمّہ ہے!''

اَللّٰھُمَّ حَاسِبۡنَا حِسَابًا یَّسِیۡرًا۔ آمین یاربّ العالمین!

❀❀❀

ماھنامہ ''میثاق'' لاھور

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قرآنی فکر کا ترجمان' ایک علمی' دعوتی اور تربیتی رسالہ!

صرف آپ ہی کے زیرِ مطالعہ کیوں؟

وقت اور حالات کی اشد ضرورت ہے کہ اسے ایک مشن سمجھ کر واعظین و مربّیین' تعلیمی اداروں' لائبریریوں' مکتبہ جات اور ہر گھر و فرد اور خاص طور پر الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اپنے دوست' احباب اور اعزہ و اقرباء تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حجۃ الوداع

حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی روشنی میں

ترجمہ وتفہیم: ابوکلیم مقصود الحسن فیضی ☆

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۱۶ ق ھ ۔ ۷۴ ھ) انصاری خزرجی ہجرتِ مدینہ سے ۱۶ سال قبل پیدا ہوئے۔ آپؓ کے دادا عمرو بن حرام انصاری اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے وقت آپؓ اپنے والد حضرت عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ اس موقع پر آپؓ کے والد بنو حرام کے نقیب مقرر ہوئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور اُن کا مثلہ کیا گیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: ''جابر! تمہارے والد سے اللہ تعالیٰ نے بالمشافہہ کلام کیا' جب کہ باقیوں سے پردے کے پیچھے سے کلام کرتا ہے۔'' آپؓ کا گھر مسجدِ نبویؐ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ تمام نمازیں مسجدِ نبویؐ میں ادا کرتے۔ اپنے والد کی غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شرکت کی وجہ سے خود ان غزوات میں شریک نہ ہو سکے تھے' لیکن اس کے بعد ۱۹ کے قریب تمام بڑے غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ بڑی عمر کی ایک بیوہ سے شادی کی' تاکہ آپؓ کی ۹ چھوٹی بہنوں کی تربیت واُمورِ خانہ داری قائم رہ سکیں۔ حضرت جابرؓ نے غزوۂ خندق کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے اعلان کرادیا کہ جابر کے ہاں تمام اہلِ خندق کی دعوت ہے۔ چنانچہ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے چند افراد کا کھانا ۱۴۰۰ صحابہ کرامؓ نے کھایا۔ ایک موقع پر آپؐ نے ۲۵ بار حضرت جابرؓ کے لیے استغفار کی دعا کی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر قرض کی ضرورت پڑتی تو حضرت جابرؓ سے رابطہ کر لیتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے سینکڑوں احادیث مروی ہیں' جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی' یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں۔'' (صحیح مسلم) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ

ای میل: abukalim@gmail.com

بن انیس رضی اللہ عنہ سے حدیث مبارک سیکھنے کے لیے شام اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے سننے کے لیے مصر کا طویل سفر کیا۔ علومِ نبوت کے شوق تعلیم وتعلّم اور عملی میدانوں میں مسلسل جِدّ وجُہد کی۔ صحبتِ نبویؐ کی فیض یابی کے ساتھ اجلہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کسبِ فیض کیا اور مسجدِ نبویؐ میں اپنے حلقۂ درس سے ہزاروں طالبینِ علوم کو سیراب کیا۔ آپؒ تفسیر، حدیث اور فقہِ دین میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی مختلف سماجی ذمہ داریوں پر فائز رہ کر بھرپور کردار ادا کیا۔ تابعینؒ کے ہر طبقے نے آپؒ سے کسبِ فیض کیا ہے۔ ۷۴ ہجری کے آخر میں آپؒ نے مدینہ طیبہ میں ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے نے پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

محدّث العصر، مجدّدِ ملّت علامہ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کی ذات معروفِ خاص وعام ہے، خصوصاً علمِ حدیث سے متعلق ان کی گوناگوں خدمات ہیں۔ متونِ حدیث وطرقِ روایات میں علامہ مرحوم کو جو دسترس حاصل تھی، حال وماضی قریب میں کسی اور عالم کے یہاں دیکھنے میں نہیں آئی۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ حجۃ الوداع کا واقعہ مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بیان کیا ہے لیکن حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث میں جو تفصیلات ملتی ہیں وہ کسی اور صحابی کی روایات میں نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں مروی ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث: ۱۲۱۸؛ سنن ابوداؤد، کتاب الحج۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی حدیث کو بنیاد بنا کر تقریباً دو درجن کتابوں سے اس حدیث میں وارد الفاظ کو جمع کر کے ایک سیاق میں پرو دیا ہے، جس کا ترجمہ پیش ہے۔ البتہ علامہ مرحوم کے بیان کردہ حوالوں کو عمداً حذف کر دیا گیا ہے تاکہ عام قاری کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس محنت سے قارئین کو نفع پہنچائے اور مؤلف ومترجم کو اپنے فضل سے وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور حج نہیں کیا۔ (۱) پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان کروایا کہ اس سال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے جانے والے

ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جو شخص بھی سواری پر یا پیدل چل کر مدینہ منورہ آسکتا تھا، وہ آ گیا۔ لوگ مدینہ منورہ اس لیے پہنچ گئے کہ آپ ﷺ کے ساتھ حج کریں۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا کرے اور آپ ﷺ جیسا عمل کرے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے سفرِ حج پر [نکلنے سے قبل] ہمیں خطبہ دیا[۲] جس میں فرمایا:

''اہلِ مدینہ کے احرام باندھنے کی جگہ ''ذُوالحُلَیفَة''[۳] ہے، دوسرے راستے سے آنے والوں [یا اہلِ شام] کے لیے احرام باندھنے کی جگہ ''جُحفَة''[۴] ہے، اہلِ عراق کے احرام باندھنے کی جگہ ''ذاتُ عِرق''[۵] ہے، اہلِ نجد کے احرام باندھنے کی جگہ ''قرن''[۶] ہے اور اہلِ یمن کے احرام باندھنے کی جگہ ''یَلَملَم''[۷] ہے۔''

ذوالقعدہ کے مکمل ہونے میں چار یا پانچ دن باقی تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حج کے لیے کوچ شروع کیا[۸]۔ اپنے ساتھ ''ہدی'' کے جانور بھی لے کر چلے۔[۹] آپ ﷺ کے ساتھ ہم لوگ بھی نکلے، ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔[۱۰] یہاں تک کہ ہم ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہیں پر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو جنم دیا۔ چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھنے کے لیے [کسی کو] بھیجا کہ اب میں کیسے کروں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''غسل کرلو، کسی کپڑے کا لنگوٹ بنالو اور احرام باندھ لو۔''

آپ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور ابھی تک آپ خاموش رہے [یعنی تلبیہ نہیں پڑھا]۔

اِحرام[۱۱]

پھر آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے حتیٰ کہ جب اونٹنی اونچی جگہ پر پہنچی تو آپ ﷺ نے حج کا تلبیہ بلند آواز سے پڑھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ نے صرف حج کا احرام باندھا۔[۱۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جہاں تک میری نظر پہنچ سکتی تھی، مَیں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے سوار[۱۳] اور پیدل دکھائی دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دائیں بھی لوگ ہی لوگ، آپ ﷺ کے بائیں بھی، اور آپ ﷺ کے پیچھے بھی لوگ ہی لوگ تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں تھے۔ آپ ﷺ پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور آپ ﷺ ہی اس کی صحیح تفسیر جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے جو جو عمل کیا، ہم نے بھی اس کے

مطابق عمل کیا۔ (۱۴)

آپ ﷺ نے توحید پر مشتمل تلبیہ پڑھا: ''لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیک، لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، اِنَّ الحمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالمُلکَ لاَ شَرِیکَ لَکَ'' (حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں، مَیں حاضر ہوں، تیرا کوئی ساجھی نہیں، مَیں حاضر ہوں، بلاشبہ ہر قسم کی تعریف تیری ہی ہے، تمام نعمتیں تیری طرف سے ہیں اور ملک بھی تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔) اور لوگ بھی یہی تلبیہ پڑھ رہے تھے جو آپ ﷺ پڑھتے تھے، اور بعض لوگ اس تلبیہ پر کچھ اس طرح اضافہ کرتے تھے: ''لَبَّیکَ ذَا المَعَارِجِ لَبَّیکَ ذَا الفَوَاضِلِ''، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے تلبیہ میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کیا۔ (۱۵) اللہ کے رسول ﷺ اپنا ہی تلبیہ پڑھتے رہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ بِالحَجِّ'' پڑھتے ہوئے اپنی آوازیں خوب بلند کر رہے تھے۔ ہم نے صرف حج کا ارادہ کیا تھا، ہم حج اور عمرہ ایک ساتھ ادا کرنا نہ جانتے تھے اور نہ ہی دونوں کو ایک ساتھ ملانا جانتے تھے۔ (۱۶) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم (اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ) نے خالص حج کا احرام باندھا، اس کے ساتھ کسی اور چیز کا ارادہ نہ کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ کا احرام باندھ کر آ رہی تھیں، یہاں تک کہ جب آپؓ مقام سرف (۱۷) میں پہنچیں تو ان کے ایام ماہواری شروع ہو گئے۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ اور طواف

یہاں تک کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیت اللہ شریف تک پہنچ گئے۔ مکہ مکرمہ میں ہمارا داخلہ ۴ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کی صبح چاشت کے وقت ہوا۔

آپ ﷺ مسجد حرام کے دروازے تک پہنچے۔ اپنی سواری کو بٹھایا، پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا۔ (۱۸) پھر اپنے دائیں طرف سے آگے کی طرف چلے۔ آپ ﷺ نے ابتدا کے تین چکروں میں رمل کیا (۱۹) یعنی ہلکا ہلکا دوڑ کر چلے، یہاں تک کہ حجر اسود تک واپس آ گئے۔ چار چکروں میں آپؐ ہلکی (اور عام) چال چلتے رہے۔ (۲۰)

پھر آپ ﷺ مقامِ ابراہیم کی طرف بڑھے اور [وہاں پہنچ کر] یہ آیت پڑھی:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ﴾ (البقرۃ:۱۲۵) ''اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔'' لوگوں کو سنانے کی غرض سے آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھتے ہوئے اپنی آواز بلند فرمائی۔

مقامِ ابراہیم کو آپ ﷺ نے اپنے اور خانہ کعبہ کے درمیان کیا اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ ان دو رکعتوں میں آپ ﷺ نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ اور ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ①﴾ کی تلاوت کی۔ یعنی پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ①﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ پڑھی۔

پھر آپ ﷺ زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لے گئے۔ اس سے پانی پیا اور اپنے سر پر بھی بہایا۔ پھر حجر اسود کی طرف واپس لوٹے اور اس کا استلام کیا۔

اس کے بعد بابِ صفا[21] سے صفا پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت [آخر تک] تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ ......﴾ (البقرۃ:۱۵۸) ''صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں......'' [اور یہ بھی کہا کہ] ہم بھی اسی سے (صفا سے) شروع کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔[22] چنانچہ آپ ﷺ نے [اپنی سعی کی ابتدا] صفا سے کی۔ آپ ﷺ صفا پر اتنا اوپر چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگا۔

آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کیا' تین بار اللہ کی توحید اور اس کی بڑائی بیان فرمائی۔ اس کی حمد وثنا کی اور فرمایا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ'' (اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ سلطنت اُسی کی ہے' تعریف اسی کے لیے ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے' اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔ وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا' اپنے بندے کی مدد کی' اور اکیلے ہی تمام جتھوں[23] کو پسپا کر دیا۔) یہ ذکر آپ ﷺ نے تین بار کیا اور درمیان میں دعائیں کرتے رہے۔[24]

پھر آپ ﷺ صفا سے اُترے اور مروہ کی طرف پیدل چلے[25] یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے بیچ وادی میں اپنے قدم رکھے تو دوڑے۔ پھر جب دوسری طرف اونچائی پر

چڑھنے لگے تو عام چال چلے، حتیٰ کہ جب مروہ تک پہنچے تو اس پر اس قدر اوپر چڑھے کہ خانہ کعبہ دکھائی دینے لگا۔ آپ ﷺ نے مروہ پر بھی وہی عمل دُہرایا جو صفا پر کیا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ ﷺ ساتویں (۲۶) اور آخری چکر میں مروہ پر پہنچے تو فرمایا:

''اے لوگو! جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اپنے ساتھ ''ہدی'' (قربانی) کا جانور نہ لاتا اور اسے عمرہ میں تبدیل کر دیتا۔ لہٰذا تم میں سے جس کے پاس ''ہدی'' کا جانور نہیں ہے وہ حلال ہو جائے اور اسے عمرہ بنا لے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! اپنے احرام کھول دو۔ بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے بعد اپنے بال کٹا لو (۲۷) اور حلال ہی رہو، یہاں تک کہ جب یوم ترویہ (۲۸) آجائے تو حج کا احرام باندھو اور (حج کا) وہ احرام جو میقات سے باندھ کر آئے ہو اسے تمتع میں تبدیل کر دو۔''

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ جو مروہ کے دامن میں تھے، کھڑے ہوئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارا یہ عمرہ اور تمتع صرف اس سال کے لیے ہے، یا ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے؟'' آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیں اور فرمایا کہ عمرہ حج کے اندر قیامت تک کے لیے داخل ہو گیا ہے، ہمیشہ ہمیش کے لیے، ہمیشہ ہمیش کے لیے۔ ایسا آپ ﷺ نے تین بار فرمایا۔

حضرت سراقہؓ نے مزید سوال کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے ہمارے دین کو اس طرح کھول کر بیان کر دیں گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ بتلائیں کہ آج کا عمل جو ہم کر رہے ہیں وہ کس قسم کا ہے؟ کیا اس عمل کی بنیاد یہ ہے کہ انہیں لکھ کر قلم خشک ہو گئے ہیں اور تقدیریں جاری ہیں، یا عمل کی بنیاد یہ ہے کہ ہم از سرِ نو یہ عمل کر رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''نہیں! بلکہ اس بنیاد پر ہے جسے لکھ کر قلم خشک ہو گئے ہیں اور اسی بنیاد پر تقدیر جاری ہے۔''

حضرت سراقہ نے سوال کیا: ''تو پھر عمل کس لیے کیا جائے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: عمل کرو۔ ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ کام اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔'' (۲۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حلال ہو جائیں اور ہدی پیش کریں [یعنی قربانی کریں]۔ ہم کئی آدمی ایک ہدی کے جانور میں شریک

ہوتے تھے‘ یعنی سات آدمی ایک اونٹ میں۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ جس کے پاس ہدی کا جانور نہیں ہے وہ تین دن [ایامِ حج میں] روزہ رکھے اور گھر واپس جانے کے بعد باقی سات دن کا روزہ رکھے۔

آپ ﷺ سے ہم لوگوں نے سوال کیا: ’’ہم کیسے حلال ہوں؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مکمل حلال۔‘‘(۳۰) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے اوپر بہت بھاری پڑا اور دلوں میں ہمیں بہت تکلیف ہوئی۔

بطحاء میں نزول

پھر ہم بطحاءِ مکہ(۳۱) کی طرف گئے [وہیں قیام کیا۔ لوگ اپنی بیویوں سے ہم بستر بھی ہوئے‘ جس کی وجہ سے بعض نے افسوس کرتے ہوئے] کہا کہ آج ہم اپنی بیویوں کے پاس تھے۔(۳۲) ہم لوگ آپس میں بات کرنے لگے کہ ہم تو صرف حج کے ارادے سے نکلے تھے‘ اس کے علاوہ ہمارا کوئی اور ارادہ نہ تھا‘ حتیٰ کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف چار پانچ دن رہ گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اپنی بیویوں کے پاس جانے کا حکم دیا.....

بعض صحابہ کہنے لگے کہ ہم اسے کیسے عمرہ قرار دیں جبکہ ہم نے حج کا احرام باندھ رکھا ہے۔ یہ بات اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچ گئی۔ معلوم نہیں آپ ﷺ کے پاس اس بارے میں کوئی وحی آئی‘ یا لوگوں نے آپ ﷺ تک پہنچائی۔

احرام فسخ کرنے کے لیے آپؐ کا تاکیدی خطبہ

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی‘ پھر فرمایا:

> ’’اے لوگو! کیا تم ہمیں اللہ کے بارے میں بتلا رہے ہو‘ حالانکہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا متقی‘ صادق اور نیک ہوں۔ لہٰذا جو حکم میں دے رہا ہوں اسے بجا لاؤ‘ کیونکہ اگر میرے ساتھ ہدی کا جانور نہ ہوتا تو جس طرح تم لوگ حلال ہو رہے ہو میں بھی حلال ہو جاتا‘ لیکن حالتِ احرام میں کوئی چیز میرے لیے اُس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ ہدی کا جانور اپنی جگہ تک نہ پہنچ جائے۔(۳۳) اور جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اپنے ساتھ ہدی کا جانور نہ لاتا‘ اس لیے تم لوگ

حلال ہو جاؤ [احرام کھول دو]۔''

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ''ہم لوگوں نے آپ ﷺ کی بات سنی اور اطاعت کر لی۔ چنانچہ ہم عورتوں سے ہم بستر بھی ہوئے' خوشبو بھی لگائی اور اپنے کپڑے بھی پہنے۔'' اللہ کے رسول ﷺ اور بجز ان صحابہ کے جن کے پاس ہدی کے جانور تھے' تمام لوگ قصر کروا کر (سر کے بال چھوٹے کرا کر) حلال ہو گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت طلحہ ؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کے پاس ہدی کے جانور نہیں تھے۔ (۳۴)

حضرت علیؓ کا یمن سے آنا

حضرت علی ؓ صدقات کی وصولی سے واپسی میں یمن سے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے قربانی کے جانور لے کر آئے۔ دیکھا کہ حضرت فاطمہ ؓ حلال ہو چکی ہیں۔ بالوں میں کنگھی کی ہے' اور سرمہ وغیرہ لگا کر رنگین کپڑے بھی پہن لیے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور کہا: ''تمہیں ایسا کرنے کو کس نے کہا؟'' حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: ''میرے ابا جان نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔''

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ عراق میں بیان کرتے تھے کہ فاطمہؓ نے اپنے عمل کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے جو کچھ بیان کیا' اس سے اختلاف کرتے ہوئے میں خدمتِ نبوی میں فتویٰ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا۔ چنانچہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: ''جب میں نے فاطمہ کے عمل سے اختلاف کیا تو وہ کہنے لگی کہ میرے ابا جان نے مجھے حلال ہونے کا حکم دیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا' سچ کہا' سچ کہا۔ ہم نے ہی اسے حلال ہونے کا حکم دیا ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا: ''جب تم نے حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں نے کہا تھا کہ اے اللہ! میں وہی احرام باندھ رہا ہوں جو احرام اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔'' یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ تو ہدی کا جانور ہے' اس لیے تم بھی حلال نہ ہو اور اپنے احرام پر باقی رہو۔''

ہدی کے جو جانور حضرت علیؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور جو جانور خود اللہ کے رسول ﷺ مدینہ منورہ سے لے کر چلے تھے' سب مل کر سو اونٹ تھے۔ چنانچہ بجز اللہ کے

رسول ﷺ اور جن کے پاس ہدی کے جانور تھے‘ تمام کے تمام[۳۵] لوگ قصر کروا کر حلال ہو گئے۔[۳۶]

آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھ کر منیٰ کی طرف روانگی

جب یومِ ترویہ (۸ ذوالحجہ) پہنچا تو مکہ مکرمہ کو پیچھے چھوڑ کر ہم منیٰ[۳۷] کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ لوگوں نے بطحاء ہی سے حج کا احرام باندھ لیا۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں روتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے سوال کیا: ’’تمہارا کیا معاملہ ہے؟‘‘ کہنے لگیں: ’’میرا معاملہ یہ ہے کہ میری ماہواری کے ایام ہیں۔ لوگ تو حلال ہو گئے‘ میں ابھی تک حلال نہ ہو سکی اور نہ ہی ابھی تک بیت اللہ کا طواف کر پائی ہوں اور حال یہ ہے کہ لوگ اب حج کے لیے جا رہے ہیں۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لاگو کر دیا ہے [اس لیے پریشان ہونے اور رونے کی ضرورت نہیں ہے]۔ تم غسل کر لو‘ حج کا احرام باندھ کر حج کرو۔ بلکہ ہر وہ کام کرو جو حاجی لوگ کرتے ہیں سوائے اس کے کہ نہ بیت اللہ کا طواف کرنا اور نہ ہی نماز پڑھنا۔‘‘[۳۸] چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی کیا‘ یعنی بیت اللہ کے طواف کے علاوہ حج کے تمام ارکان ادا کیے۔

اللہ کے رسول ﷺ سوار[۳۹] ہوئے اور منیٰ میں ہمیں [۸ ذوالحجہ کی] ظہر‘ عصر‘ مغرب‘ عشاء پڑھائی اور [۹ ذوالحجہ کی] فجر کی نماز پڑھائی۔ فجر کے بعد آپ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے رہے‘ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔[۴۰] آپ ﷺ نے وادیٔ نمرہ[۴۱] میں اپنے لیے ایک خیمہ لگانے کا حکم دیا۔

عرفات کے لیے روانگی اور وادی نمرہ میں قیام

آپ ﷺ [سوار ہو کر منیٰ سے] روانہ ہوئے۔[۴۲] قریش کو اس بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ آپ ﷺ مزدلفہ ہی میں مشعر الحرام کے پاس ٹھہریں گے اور وہی آپ ﷺ کی آخری منزل ہو گی‘ جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔[۴۳] لیکن آپ ﷺ وہاں سے تجاوز کر کے عرفہ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے لیے نمرہ میں ایک خیمہ نصب کیا ہوا پایا جہاں آپ ﷺ ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے قصواء پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا۔ پھر اس پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لائے۔[۴۴]

خطبۂ عرفات

پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک خطبہ دیا اور [اس میں] فرمایا:

''تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا آج کا دن' یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہے۔ عہد جاہلیت میں کیے گئے خون بھی ختم کر دیے گئے ہیں' اور سب سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ خود ہمارے خاندان کا خون ہے' یعنی ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کے بیٹے کا خون جو بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا اور قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کا سود بھی ختم کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے میں جس سود کو ختم کر رہا ہوں وہ ہمارے خاندان کا سود ہے' یعنی عباس بن عبد المطلب کا سود۔ وہ سارے کا سارا ختم ہے۔ (۴۵) لوگو! عورتوں [بیویوں] کے بارے میں اللہ سے ڈرو' کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی ذمہ داری پر حاصل کیا ہے (۴۶) اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ (۴۷) کے ذریعہ ان کی شرم گاہ کو حلال کیا ہے۔ تمہارا ان کے اوپر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو۔ (۴۸) پھر اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مارو مگر مار سخت نہ ہو۔ (۴۹) اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ بھلائی اور دستور کے مطابق تم انہیں کھلاؤ اور پہناؤ۔ اور میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے' اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ (۵۰) لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟'' تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے [یک زبان ہو کر] جواب دیا: ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا' اپنی ذمہ داری ادا کر دی اور اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور اپنا واجب پورا کر دیا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے:

''اے اللہ گواہ رہ' اے اللہ گواہ رہ!'' ایسا آپ ﷺ نے تین بار فرمایا۔

دو نمازوں کو جمع کرنا اور میدانِ عرفات میں وقوف

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک اذان دی۔ پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر دوبارہ اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ قصواء پر سوار ہوئے' یہاں تک کہ میدانِ عرفات میں قیام گاہ پر تشریف لائے۔ اپنی اونٹنی قصواء کے پیٹ کو [جبل عرفات کے نیچے پھیلی ہوئی] چٹانوں (۵۱) کی طرف کیا' پیدل چلنے والوں کے راستے کو اپنے سامنے رکھا اور قبلہ رُخ ہوکر کھڑے ہوگئے۔ (۵۲) [اس جگہ] آپ ﷺ مستقل ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا' اور سورج کی ٹکیا کے غائب ہونے کے بعد جو کچھ زردی تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ (۵۳)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں یہاں ٹھہرا ہوں اور عرفات پورے کا پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ سکون اور اطمینان سے [مزدلفہ کے لیے] روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء کی نکیل کو اس زور سے کھینچ رکھا تھا کہ اس کا سر آپ ﷺ کے پاؤں رکھنے کی جگہ تک پہنچ رہا تھا (۵۴) اور آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے: [اس طرح کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کی پشت آسمان کی طرف تھی] ''اے لوگو! اطمینان وسکون کو لازم پکڑو۔'' جب بھی آپ ﷺ کسی ریتیلے ٹیلے پر پہنچتے تو اونٹنی کی نکیل ڈھیلی کردیتے تاکہ وہ آسانی سے اس پر چڑھ جائے۔ (۵۵)

مزدلفہ میں دونوں نمازیں جمع کرنا اور رات گزارنا

پھر آپ ﷺ مزدلفہ پہنچ گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ جمع کرکے پڑھیں۔ (۵۶) دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ پھر آپ ﷺ لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی۔ (۵۷) جب صبح نمایاں ہوگئی تو آپ ﷺ نے اذان واقامت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔

مشعرحرام پر قیام: پھر آپ ﷺ قصواء پر سوار ہوئے اور مشعرحرام (۵۸) کے پاس آکر اس پر چڑھ گئے۔ وہاں قبلہ رُخ ہوکر دعا کی۔ حمد وثنا' تکبیر وتہلیل اور تسبیح میں مشغول ہوگئے۔ خوب روشنی ہونے تک وہیں رُکے رہے' اور فرمایا: ''میں یہاں ٹھہرا ہوں البتہ مزدلفہ پورے کا پورا موقف [ٹھہرنے کی جگہ] ہے۔''

مزدلفہ سے روانگی

پھر مزدلفہ سے سورج نکلنے سے قبل ہی اطمینان سے روانہ ہوگئے۔ (۵۹) حضرت فضل بن

عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔ (۶۰) حضرت فضل بن عباس اچھے بالوں والے، گورے چٹے اور ایک خوب صورت جوان تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدلفہ سے رخصت ہوئے تو پاس سے کچھ سوار عورتیں گزریں (۶۱) جن کی طرف حضرت فضل بن عباس دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو فضل کے چہرے پر رکھ دیا تو وہ اپنا چہرہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنا دست مبارک گھما کر دوسری طرف حضرت فضل کے چہرے پر رکھ دیا۔ پھر حضرت فضل اپنے چہرے کو دوسری طرف پھیر کر دیکھنے لگے۔

جب آپ وادی محسر (۶۲) میں پہنچے تو کچھ تیز چلے (۶۳) اور لوگوں کو ہدایت دی کہ اطمینان سے چلو۔

رمی جمرۂ کُبریٰ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیان والی راہ پر چلے، یہاں تک کہ درخت کے پاس جمرۂ کُبریٰ تک پہنچ گئے (۶۴) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ (۶۵)

ہر کنکری مارتے وقت ''اللہ اکبر'' کہتے۔ وہ کنکریاں خذف [لوبیے کے دانے] کے برابر تھیں۔ (۶۶) وادی میں کھڑے ہو کر سواری پر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنکریاں مارتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: ''لوگو! مجھ سے اپنے حج کا طریقہ سیکھ لو (۶۷) اس لیے کہ مجھے معلوم نہیں ہے، شاید اپنے اس حج کے بعد میں دوبارہ حج نہ کرسکوں۔'' (۶۸)

یوم النحر کے بعد باقی ایامِ تشریق (۶۹) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج کے ڈھل جانے کے بعد کنکریاں ماریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمرۂ عقبہ کو رمی کر رہے تھے کہ سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ ہمارے لیے خاص ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اب ہمیشہ ہمیش کے لیے یہی طریقہ ہے۔'' (۷۰)

نحر اور حلق

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربان گاہ تشریف لے گئے، جہاں اپنے ہاتھ سے ۶۳ اونٹوں کو ذبح کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو [چھری] دے دی تاکہ وہ باقی ۳۳ اونٹوں کو ذبح کریں۔

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی ہدی [قربانی] میں شریک بنایا۔ آپ ﷺ نے ہر اونٹ سے ایک ایک ٹکڑا گوشت (۷۱) لینے کا حکم دیا' جسے ایک ہانڈی میں رکھ کر پکایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے گوشت کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح کی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم لوگوں نے' یا اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور ایک گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ''ہدی'' (قربانی) میں دی۔ اس بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے جس میں حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ایک اونٹ میں ہم سات آدمی شریک ہوئے تو ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: ''آپؐ کی کیا رائے ہے کہ گائے میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''گائے کا حکم بھی اونٹ جیسا ہے۔'' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت میں ہے کہ ہدی کے جانوروں کا گوشت ہم تین دن سے زیادہ یعنی ایام منیٰ کے علاوہ نہیں کھاتے تھے' لیکن [اس موقع پر] اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں رخصت دی اور فرمایا: ''کھاؤ اور توشہ بھی بنالو۔'' چنانچہ ہم نے کھایا بھی اور بطور توشہ ساتھ بھی لے لیا' یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچنے تک اس کو استعمال کرتے رہے۔

''کوئی حرج نہیں!''

جس نے یوم النحر کے بعض اعمالِ حج کو بعض پر مقدم یا مؤخر کر دیا' اس پر کوئی حرج [گناہ] نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے [ہدی کے جانور] ذبح کیے' پھر سر منڈوایا۔ (۷۲) اور منیٰ میں لوگوں [کو مسائل بتانے] کے لیے بیٹھ گئے۔ چنانچہ اس دن جس چیز سے متعلق بھی کوئی سوال کیا گیا کہ فلاں کام کو فلاں کام سے پہلے کر لیا ہے تو اس کے جواب میں آپؐ نے یہی فرمایا: ''کوئی حرج نہیں' کوئی حرج نہیں!'' (۷۳)

ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے حلق کرا لیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔'' ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے کنکری مارنے سے قبل حلق کرا لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔'' ایک اور شخص حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ کنکری مارنے سے قبل ہم نے طواف [افاضہ] کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔'' ایک اور عرض کرتا ہے کہ ہدی کا جانور ذبح کرنے سے قبل ہم نے طواف کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب ذبح کردو' کوئی حرج نہیں۔'' ایک اور شخص حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ میں نے کنکریاں مارنے سے قبل جانور ذبح کردیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ کنکریاں مارو' کوئی حرج نہیں۔''

پھر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم نے جانور یہاں ذبح کیا ہے اور پورے کا پورا منیٰ ذبح کرنے کی جگہ ہے۔ اور مکہ کے تمام درّے اور تمام راستے ذبح کی جگہیں ہیں۔(۷۴) اس لیے اپنے اپنے جائے قیام پر ذبح کرو۔''

یوم النحر کا خطبہ

یوم النحر یعنی قربانی کے دن اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ دیا' جس میں آپ ﷺ نے [سوال کرتے ہوئے] فرمایا: ''لوگو! سب سے زیادہ حرمت والا دن کون سا ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا: ہمارا یہی دن۔ آپ ﷺ نے پھر سوال کیا: ''سب سے زیادہ حرمت والا مہینہ کون سا ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا: ہمارا یہ مہینہ۔ آپ ﷺ نے پھر سوال کیا: ''سب سے زیادہ حرمت والا شہر کون سا ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا: ہمارا یہ شہر۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو! تمہارے خون' تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام [محترم] ہیں جیسے اس دن کی حرمت ہے' تمہارے اس شہر کی حرمت ہے' تمہارے اس مہینے کی حرمت ہے۔ سنو! کیا میں نے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا نہیں دیے؟'' لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں ضرور پہنچا دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! تُو گواہ رہ!''

طوافِ افاضہ کے لیے روانگی

بعد ازاں' اللہ کے رسول ﷺ بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ [آپ ﷺ کے ساتھ] تمام لوگوں نے طواف کیا(۷۵) اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کی۔(۷۶) پھر مکہ ہی میں ظہر کی نماز پڑھی۔(۷۷)

پھر آپ ﷺ قبیلہ عبد المطلب کے پاس آئے۔ وہ زمزم کے کنویں پر لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔(۷۸) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد المطلب کی اولاد! پانی نکالو اور لوگوں کو پلاؤ۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے پانی پلانے پر لوگ تم پر غالب آنے کی کوشش کریں گے تو

میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالنے میں شریک ہو جاتا۔‘‘(۷۹)

ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ایک ڈول میں پانی دیا جس سے آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصّہ کا تتمّہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راستے میں حائضہ ہوگئی تھیں۔ انہوں نے تمام اعمالِ حج کو تو ادا کیا‘ البتہ بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب پاک ہوئیں تو کعبہ مشرفہ (۸۰) کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اب تم اپنے حج اور عمرے دونوں سے فارغ ہوگئی۔‘‘ [لیکن] حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا لوگ حج و عمرہ دو کام کر کے واپس ہوں اور میں صرف حج کر کے واپس چلوں؟‘‘(۸۱) آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تمہیں اتنا ہی اجر ملے گا جتنا لوگوں کو ملا۔‘‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ’’میرے دل میں یہ کھٹک ہے کہ میں نے صرف حج کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔‘‘ اللہ کے رسول ﷺ بڑے آسان اور نرم دل شخص تھے۔ اسی لیے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کسی چیز کی خواہش ظاہر کرتیں تو ان کی بات مان لیتے۔(۸۲) [لہٰذا] آپ ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ’’اسے لے کر جاؤ اور تنعیم سے عمرہ کرا دو۔‘‘ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کے بعد عمرہ کیا اور پھر واپس آئیں۔ یہ واقعہ شب حصبہ کا ہے۔(۸۳)

اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی سواری پر طواف کیا۔(۸۴) حجر اسود کو آپ ﷺ اپنی چھڑی سے چھو رہے تھے۔ ایسا اس لیے کیا کہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ سکیں‘ آپ ﷺ ان سے بلند رہیں اور وہ آپ ﷺ سے سوال کر سکیں‘ کیونکہ لوگوں نے بھیڑ لگا رکھی تھی۔

ایک عورت نے اپنے بچے کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کر کے پوچھا: ’’کیا اس بچے کا بھی حج ہے؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں! اور اس کا اجر تمہیں ملے گا۔‘‘(۸۵)

نبی کریم ﷺ کے طریقۂ حج سے متعلق حضرت جابرؓ کی بیان کردہ حدیث کی یہ آخری کڑی تھی جو میرے علم میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس کی توفیق بخشی اور اس سے اس کے مزید فضل کا سوال ہے۔

اعمالِ حج کا خلاصہ

ہم نے مناسب سمجھا کہ خاتمہ پر اس مضمون میں وارد حج کے اعمال کا ایک خلاصہ پیش کر دیا جائے‘ خاص کر وہ اعمال جن کی معرفت اور ان کو سامنے رکھنا ہر حاجی کے لیے ضروری ہے۔ ایسا ہم نے اپنے بعض بھائیوں کی تجویز پر کیا ہے‘ اللہ تعالیٰ انہیں اچھا بدلہ دے۔ نیز فائدے کی تکمیل کے لیے بعض دیگر اعمالِ حج کا بھی اضافہ کرتا چلوں گا جن کی طرف حاشیہ میں اشارہ کیا گیا ہے‘ تاکہ یہ ایک جامع خلاصہ ثابت ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

☆ تہبند اور چادر میں احرام باندھنا(۸۶)

☆ احرام کی نیت سے قبل ہی تہبند و چادر پہننا اور خوشبو لگانا

☆ میقات سے احرام باندھنا

☆ حج اور عمرے دونوں کا اکٹھا احرام باندھنا(۸۷)

☆ سواری پر حج کرنا

☆ عورتوں اور بچوں کے ساتھ حج کرنا

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت تلبیہ پڑھنا اور بلند آواز سے پڑھنا

☆ حج افراد اور حج قران کا احرام باندھنے والا اگر اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر نہیں جا رہا ہے تو اسے چاہیے اپنے احرام کو تمتع میں بدل دے۔

☆ طواف قدوم کے سات چکر لگانا

☆ ان ساتوں چکروں میں اضطباع کرنا

☆ اس طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا

☆ حجر اسود پر ’’اللہ اکبر‘‘ کہنا

☆ ہر چکر میں حجر اسود کو بوسہ دینا (یا استلام کرنا)‘ اور رکن یمانی کو چھونا

☆ طواف کے چکروں سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا

☆ ان دونوں رکعتوں میں ’’قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ‘‘ اور ’’قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ‘‘ پڑھنا

☆ یہ دونوں رکعتیں مقامِ ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا

☆ زمزم کا پانی پینا اور اس کا کچھ حصہ سر پر ڈالنا

☆ حجر اسود کا استلام کرنے کے لیے واپس آنا

☆ قبلہ رُخ ہو کر صفا پہاڑی پر کھڑے ہونا

☆ صفا پہاڑی پر اللہ کا ذکر کرنا' اس کی توحید' اس کی بڑائی بیان کرنا' اس کی حمد بیان کرنا اور ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنا' اور ایسا تین بار کرنا

☆ صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانا

☆ ہر چکر لگاتے وقت جب وادی کے درمیان میں ہو' تو ہلکی دوڑ لگانا

☆ کوہ مروہ پر ٹھہرنا

☆ جو ذکر صفا پر کیا تھا وہی یہاں مروہ پر بھی کرنا

☆ اپنی سعی مروہ پر ختم کرنا

☆ حج تمتع کرنے والا ہو یا وہ قران کرنے والا ہو جس کے ساتھ ہدی کا جانور نہ ہو' اس کو اپنے بال کٹا کر حلال ہو جانا اور عام کپڑے وغیرہ پہن لینا۔

☆ حج تمتع کرنے والے کا بال کٹوانا' نہ کہ منڈوانا

☆ یوم الترویہ [آٹھ ذوالحجہ] کو حج کا احرام باندھنا

☆ منیٰ جانا اور ۹ ویں ذوالحجہ کی رات وہیں گزارنا

☆ ظہر کی نماز اور باقی پانچ نمازیں وہیں منیٰ میں ادا کرنا

☆ عرفہ کے دن طلوعِ شمس کے بعد منیٰ سے میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہونا

☆ عرفات کے قریب وادی نمرہ میں نزول کرنا

☆ عرفات میں ظہر و عصر کی نماز جمع تقدیم کے ساتھ پڑھنا

☆ میدانِ عرفات میں بغیر روزہ کے ٹھہرنا

☆ عرفہ میں خطبہ سننا

☆ میدانِ عرفات میں قبلہ رخ ہو کر ہاتھوں کو اُٹھا کر دعا کرنا

☆ میدانِ عرفات میں تلبیہ پڑھتے رہنا

☆ سورج ڈوبنے کے بعد میدانِ عرفات سے اطمینان کے ساتھ رخصت ہونا

☆ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز جمع تاخیر سے پڑھنا

☆ اس میں ایک اذان اور دو اقامت پڑھنا

☆ دونوں نمازوں کے درمیان کی سنت کو چھوڑنا

☆ مزدلفہ میں رات سو کر گزارنا

☆ فجر طلوع ہو جائے تو فجر کی نماز پڑھنا

☆ مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس قبلہ رُخ ہو کر کھڑے ہونا۔ دعا کرتے ہوئے الحمد للہ' اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرتے رہنا' یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل جائے۔

☆ سورج طلوع ہونے سے قبل وہاں سے رخصت ہونا

☆ وادی محسر کے درمیان میں تھوڑا تیز رفتاری سے چلنا

☆ جس راستے سے عرفات گیا تھا وہ راستہ بدل کر جمرات کی طرف جانا

☆ یوم النحر [دس ذوالحجہ] کو چاشت کے وقت جمرۂ عقبہ کو بطن وادی سے سات کنکریاں مارنا

☆ انگلی کے پوروں میں رکھ کر ماری جانے والی کنکری مارنا' یا لوبیا کے دانے برابر کی کنکری مارنا

☆ اس دن کی کنکری زوال کے بعد بھی مارنا جائز ہے

☆ یہ کنکر وادی میں کھڑے ہو کر مارنا

☆ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا

☆ کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ بند کر دینا

☆ کنکری مار لینے کے بعد تحلل اول حاصل ہو گیا

☆ ایامِ تشریق میں زوال کے بعد کنکریاں مارنا

☆ حج قِران اور تمتّع کرنے والے کو ہدی کا جانور ذبح کرنا اور جس کے پاس جانور ذبح کرنے کی طاقت نہ ہو وہ تین دن کا روزہ حج کے دنوں میں رکھے اور سات روزے اپنے گھر واپس آ کر رکھے۔

☆ اونٹ اور گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرنا

☆ منیٰ اور مکہ میں ذبح کرنا

☆ ہدی کے جانور کا گوشت کھانا

☆ کنکری مارنے کے بعد خوشبو لگانا

☆ حلق کروانا

☆ حلق کرانے والے کی دائیں جانب سے شروع کرنا

☆ یوم النحر کا خطبہ

☆ بغیر رمل کیے طواف افاضہ کرنا

☆ حج تمتّع کرنے والے کا طواف کے بعد سعی کرنا' بخلاف قارن کے [کہ وہ صرف طواف پر اکتفا کرے]۔

☆ یوم النحر کے کام ترتیب وار کرنا

☆ طواف افاضہ کے بعد مکمل طور پر حلال ہونا

☆ طواف سے فارغ ہو کر زمزم کا پانی پینا

☆ منیٰ واپس آنا اور ایامِ تشریق کے تینوں دنوں میں وہیں رات گزارنا

☆ ایامِ تشریق میں روز آنا اور زوال کے بعد کنکریاں مارنا

☆ بغیر رمل کے طواف وداع کرنا

حواشی

(۱) علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد صرف ایک حج' یعنی حجۃ الوداع دسویں ہجری میں کیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حج کی فرضیت کب نازل ہوئی' البتہ حق وصواب کے زیادہ قریب یہ قول ہے کہ حج نویں یا دسویں ہجری میں فرض ہوا۔ سلف میں سے متعدد اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ امام ابن القیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں متعدد قوی دلائل سے اس پر استدلال کیا ہے۔ جو شخص تفصیل چاہے' اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرضیتِ حج کے فوراً بعد بغیر کسی تاخیر کے حج کیا' بخلاف دوسرے اقوال کے جن سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرضیت کے بعد حج کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لیا۔ اسی لیے ان اقوال کے قائلین آپ ﷺ کی طرف سے عذر پیش کرنے پر مجبور ہوئے' جب کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ خطبہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں دیا تھا۔ بظاہر یہ خطبہ مدینہ منورہ سے روانہ ہونے سے قبل دیا گیا تاکہ لوگوں کو حج کے مسائل

کی تعلیم دی جا سکے۔

(۳) مدینہ منورہ سے چھ میل یا ۹ کلومیٹر کی دُوری پر جنوب کی جانب واقع ہے۔ آج کل ''ابیار علی'' کے نام سے مشہور ہے اور مدینہ منورہ کی آبادی وہاں تک پہنچ گئی ہے' بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔ [مترجم]

(۴) آج کل یہ جگہ ویران ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کی دُوری تقریباً ۲۰۰ کلومیٹر ہے۔ اب لوگ اس کے مغرب میں واقع رابغ نامی جگہ سے احرام باندھتے ہیں۔ [مترجم]

(۵) مکہ مکرمہ سے شمال مشرق کی جانب ''وادی ضریہ'' میں ۹۴ کلومیٹر پر ایک مقام' جو نجد و تہامہ کے درمیان واقع تھا۔ آج اسے ضریبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ماضی قریب تک عراقی حجاج وہاں سے احرام باندھتے تھے' لیکن اب وہ عام راستے سے ہٹ کر ہے۔ [مترجم]

(۶) شہر طائف سے شمال اور مکہ مکرمہ سے مشرقی جانب تقریباً ۸۰ کلومیٹر کی دُوری پر ایک وادی تھی۔ آج یہاں ''السیل الکبیر'' کے نام سے ایک شہر آباد ہے۔ [مترجم]

(۷) مکہ مکرمہ سے جنوب میں ۱۰۰ کلومیٹر کی دُوری پر ایک وادی کا نام' جسے آج کل ''السعدیۃ'' کہا جاتا ہے۔ [مترجم]

(۸) نکلنے سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نے کنگھی کی' خوشبو لگائی اور [اپنے احرام کی] چادر اور تہبند پہنا۔ زعفرانی رنگ کے علاوہ کسی بھی قسم کی چادر اور تہبند سے آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا' جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ میقات پہنچنے سے قبل احرام کا کپڑا پہننا جائز ہے' برخلاف احرام کی نیت کے۔ ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ میقات سے پہلے احرام کی نیت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جہاز وغیرہ پر سوار ہونے کی صورت میں اگر میقات سے تجاوز کر جانے کا اندیشہ ہو تو میقات سے پہلے احرام باندھا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ احرام یا کسی اور عبادت جیسے طہارت' نماز و روزہ وغیرہ میں زبان سے نیت کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے۔ نیت کا مقام دل ہے جب کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔ احرام کے وقت اللہ کے رسول ﷺ سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے ''لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ حَجَّۃً وَ عُمرَۃً'' بلند آواز سے پڑھا تھا۔ اس لیے اسی پر اکتفا کیا جائے اور اس میں کسی بھی قسم کا اضافہ نہ کیا جائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''النیۃ'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ (مجموعۃ الرسائل: ص ۲۴۴' ۲۴۵)

(۹) آپ ﷺ نے ہدی کے جانور ذوالحلیفہ سے لیے تھے' جیسا کہ صحیح البخاری و مسلم میں حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(۱۰) سنن ابن ماجہ میں یہاں اتنا اضافہ ہے کہ ''ہم لوگوں نے عورتوں کی طرف سے تلبیہ پڑھا اور بچوں کی طرف سے رمی کی''، لیکن یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ اسی طرح اس سلسلے میں سنن الترمذی کی روایت بھی ضعیف ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ امام ابن المنذر نے اہلِ علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ جو بچہ کنکری نہ مار سکے اس کی طرف سے کنکری ماری جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کرتے تھے۔ یہی قول عطاء، زہری، مالک، شافعی اور اسحاق رحمہم اللہ جیسے ائمہ کا ہے۔ جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو اس سے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کی طرف سے کوئی دوسرا شخص تلبیہ نہ پڑھے گا، بلکہ وہ خود اپنا تلبیہ پڑھیں گی۔ یہ واضح رہے کہ تلبیہ پڑھتے وقت عورت کے لیے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

(۱۱) صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احرام باندھنے سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگائی۔ یہ خوشبو احرام باندھنے کے تین دن بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی مانگ میں محسوس ہو رہی تھی۔

(۱۲) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، جبکہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا، اور یہی بات صحیح ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ امام ابن القیم نے بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی حدیثیں نقل کی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے [یعنی حج وعمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا]۔ جو شخص مزید تحقیق چاہتا ہے وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ البتہ امام ابن القیم رحمہ اللہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث چھوٹ گئی ہے کہ انہوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ لوگ حج وعمرہ دونوں کر کے جا رہے ہیں اور میں صرف حج کر کے واپس جا رہی ہوں؟ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسند احمد میں خود حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے جو اس بارے میں نص صریح ہے۔ [بحوالہ حاشیہ ۸۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قارن ہونے کا علم تھا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا تھا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائے احرام میں تو صرف حج ہی کا احرام باندھا تھا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی عقیق میں اُترے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قران کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی عقیق میں تھے

کہ ہم نے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ میرے پاس رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والا آیا تھا اور کہتا تھا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو ’’عُمْرَۃٌ فِی حَجَّۃٍ‘‘ یا ’’عُمْرَۃٌ وَ حَجَّۃٌ‘‘ یعنی حج میں عمرہ کو بھی داخل کرنے لگا ہوں‘ یا حج وعمرہ اکٹھا کر رہا ہوں۔ [صحیح البخاری وغیرہ]

(۱۳) امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کا جواز ہے کہ سوار ہو کر اور پیدل دونوں طرح حج کیا جا سکتا ہے‘ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ البتہ ان دونوں میں سے افضل طریقہ کون سا ہے‘ اس بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا میں سواری پر حج کرنا افضل ہے‘ کیونکہ ایک تو سوار ہو کر حج کرنا آسان ہے‘ اور دوسرے اس میں خرچ زیادہ ہے۔ امام داوٗد الظاہری کا قول ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں زیادہ تھکاوٹ ہے‘ حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ تکلیف و پریشانی بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ بذریعہ جہاز حج کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے‘ برخلاف اس شخص کے جو اس کے برعکس صحیح سمجھتا ہے۔ البتہ وہ حدیثیں جن میں پیدل حج کی فضیلت بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف اور ناقابلِ حُجت ہیں۔ (دیکھیے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم ۴۹۶‘ ۴۹۷) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے حالات کے مختلف ہونے سے اس مسئلے کا حکم بھی بدلے گا۔ بعض کے لیے پیدل حج کرنا افضل ہے اور بعض ایسے لوگ ہوں گے جن کے لیے سواری پر حج کرنا افضل ہے۔ اور یہی حق کے زیادہ قریب ہے۔

(۱۴) یہاں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر جو قرآن نازل ہوتا اس کی تفسیر بھی آپ ﷺ خود صحابہ کرامؓ سے بیان فرما دیتے تھے۔ یہ صرف آپ ﷺ ہی کی ذات تھی جو قرآن کی صحیح تفسیر و تاویل سمجھتی تھی اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے حتیٰ کہ صحابہ کو بھی تفسیر و توضیح سے بے نیازی نہیں تھی۔ اسی لیے صحابہ کرام دوسری عبادات کی طرح حج میں بھی آپ ﷺ ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ آپ ﷺ جیسا عمل کرتے تھے‘ ویسے ہی صحابہ کرام کرتے رہے۔

(۱۵) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے تلبیہ پر اضافہ جائز ہے‘ کیونکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو منع نہیں فرمایا۔ البتہ اس کے بعد کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے تلبیہ پر اکتفا بہتر ہے‘ کیونکہ اسی کا التزام کیا گیا۔ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ایک تلبیہ یہ بھی تھا: لَبَّیْکَ اِلٰہَ الْحَقِّ لَبَّیْکَ۔ [سنن النسائی ۲۷۵۳ الحج‘ احمد ۲/ ۴۷۶ وغیرہ]۔ اصل میں تلبیہ اللہ تعالیٰ کی اس پکار کا جواب ہے جو اس نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر لوگوں کو

پکارا تھا۔ معنی یہ ہے کہ اے اللہ میں تیری پکار کا جواب دینے کے لیے حاضر ہوں' آپ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے' بار بار آپ کی حکم بجا آوری کے لیے تیار ہوں اور اس پر ہمیشہ باقی رہوں گا۔ یہ معنی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے۔

(۱۶) یہ بات ابتدائے احرام میں تھی قبل اس کے کہ اللہ کے رسول ﷺ انہیں حج کے مہینوں میں عمرہ کی اجازت کے بارے میں بتلائیں۔ اس بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں۔ انہی میں سے ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نکلے' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو حج وعمرہ کا احرام باندھنا چاہے' باندھ لے اور جو عمرہ کا احرام باندھنا چاہے' باندھ لے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ [صحیح بخاری ومسلم۔ الفاظ مسلم کے ہیں]

(۱۷) مکہ مکرمہ سے شمال کی طرف تقریباً ۱۲ کلومیٹر کی دُوری پر ایک وادی ہے۔ آج یہ سب علاقہ مکہ شہر میں داخل ہو گیا ہے۔

(۱۸) ''استلام'' کا معنی ہے ہاتھ سے چھونا۔ یہ ہر طواف میں سنت ہے۔ یہ امام نووی کا قول ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اس طواف میں' جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے' رکن یمانی کا بھی استلام کیا تھا۔ البتہ اس کا بوسہ نہیں لیا۔ بوسہ صرف حجر اسود کا لیا تھا۔ میں [البانی] کہتا ہوں کہ حجر اسود کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس کا بوسہ لیا جائے' اگر یہ میسر نہ ہو تو ہاتھ سے چھو کر اسے چوم لے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کسی چھڑی وغیرہ سے چھو کر اسے چوم لے' ورنہ اس کی طرف اشارہ کر لے۔ [حجر اسود کے ساتھ] خانہ کعبہ کے کسی اور گوشے کے لیے یہ چیزیں مشروع نہیں ہیں بجز رکن یمانی کے کہ اس کا صرف استلام مستحسن ہے۔ حجر اسود کے پاس پہنچنے پر ہر چکر میں تکبیر کہنا مسنون ہے' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیت اللہ شریف کا طواف اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کیا۔ جب بھی آپ ﷺ حجر اسود کے پاس پہنچتے تو کسی چیز سے جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوتی' اس کی طرف اشارہ کرتے اور ''اللہ اکبر'' کہتے۔ [صحیح البخاری] البتہ ''بسم اللہ'' کہنے کا ذکر مجھے کسی مرفوع حدیث میں نہیں ملا' صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بسند صحیح وارد ہے کہ جب وہ حجر اسود کا استلام کرتے تو ''بسم اللہ و اللہ اکبر'' کہتے۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۷۹]

(۱۹) ''رمل'' کو عربی لغت میں 'خبب' بھی کہتے ہیں۔ علماء کہتے ہیں: رمل یہ ہے کہ قدم نزدیک نزدیک رکھتے ہوئے تیز چال چلنا۔

(۲۰) اس طواف میں آپ ﷺ نے ''اضطباع'' بھی کیا تھا' جیسا کہ اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیثوں میں وارد ہے۔ ''اضطباع'' یہ ہے کہ اپنی چادر کو دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لے' اس طرح کہ دایاں کندھا کھلا اور بایاں کندھا ڈھکا ہوا ہو۔ [قاموس] پھر جب طواف سے فارغ ہو جائے تو اپنی چادر کو برابر کر لے' یعنی اپنے دائیں کندھے کو بھی ڈھک لے۔

(۲۱) آج کل حرم میں توسیع کی وجہ سے نہ تو زمزم کے کنویں کا نشان رہ گیا ہے اور نہ ہی وہاں کوئی دروازہ ہے۔

(۲۲) یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفا کا ذکر پہلے رکھا ہے اس لیے ہم بھی اپنی سعی کی ابتدا اسی صفا سے کرتے ہیں۔

(۲۳) یعنی مخالفین کے جتھوں کو لوگوں کی لڑائی کے بغیر ہی ہرا دیا۔ ''احزاب'' سے مراد کافروں کی وہ جماعتیں ہیں جو غزوۂ خندق کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ سے قتال کے لیے جمع ہوئی تھیں۔

(۲۴) گویا دعائیں دو بار ہوئیں اور یہ اذکار تین بار ہوئے۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ کلمات ہر بار دہرانے کے بعد دعا کی۔ کتاب الحج من المرعاۃ: ص ۲۲۸ [اضافہ از مترجم]

(۲۵) یہ حدیث اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ آپ ﷺ نے صفا و مروہ کے درمیان کی سعی پیدل کی تھی۔ البتہ حضرت جابرؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی اونٹ پر سوار ہو کر کی' چونکہ بھیڑ بہت تھی اور ہر شخص آپ ﷺ سے سوال کرنا اور دیکھنا چاہتا تھا۔ [مسلم] نیز آگے یہ بیان آ رہا ہے کہ طواف افاضہ کے بعد آپ ﷺ نے سعی نہیں کی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صرف ایک ہی سعی کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان کی وہ سعی جو آپ ﷺ نے سوار ہو کر کی تھی وہ طواف قدوم کے بعد والی سعی تھی۔ پھر دونوں روایتوں میں جمع و تطبیق کی صورت اس طرح ہے کہ ابتدا میں تو آپ ﷺ نے سعی پیدل شروع کی' پھر جب بھیڑ زیادہ ہو گئی اور لوگوں نے گھیر لیا' تو سعی کا باقی ماندہ حصہ آپ ﷺ نے سوار ہو کر پورا کیا۔ اس بات کی تائید صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اس امر کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ سعی میں اولاً پیدل چلے' لیکن پھر جب لوگوں نے گھیر لیا تو آپ ﷺ سوار ہو گئے۔

(۲۶) اس میں ان لوگوں کی تردید صریح ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سعی کے چودہ چکر لگائے' یعنی ان لوگوں نے جانے اور آنے کو ایک چکر شمار کیا ہے۔ امام ابن القیمؒ نے فرمایا کہ اللہ

کے رسول ﷺ کی طرف اس عمل کی نسبت غلط ہے۔ نہ ہی کسی صحابی نے اسے نقل کیا ہے اور نہ ہی کسی مشہور امام نے یہ بات کہی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی سعی مروہ پر ختم کی تھی' کیونکہ اگر آنا اور جانا ایک چکر شمار ہوتا تو آپ کی سعی کو صفا پر مکمل ہونا تھا۔

(۲۷) متمتع کے لیے سنّت اور افضل یہی ہے کہ وہ بالوں کو کٹائے' حلق نہ کرائے۔ پھر یوم النحر کو جب حج کے کاموں سے فارغ ہو جائے تو حلق کرائے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے یہی وضاحت کی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا فرمان: 'اللھم ارحم المحلقین ثلاثا وللمقصرین مرة واحدة' [''اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما'' (۳ بار فرمایا) ''اور بال کٹانے والوں پر بھی رحم فرما'' (ایک بار فرمایا)]۔ یہ حکم صرف عمرہ کرنے والے اور قارن کے لیے ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ متمتع کے لیے حلق افضل ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے' صحیح نہیں ہے۔

[''متمتع'' وہ حاجی ہے جو ایامِ حج میں میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھتا ہے' مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرتا ہے اور احرام کھول دیتا ہے' اور پھر ۸ ذی الحجہ کو اپنے جائے قیام ہی سے حج کا احرام باندھ لیتا ہے۔ ''قارن'' اس حاجی کو کہتے ہیں جو میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھتا ہے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر لینے کے بعد اپنے احرام ہی پر باقی رہتا ہے' یہاں تک کہ یوم النحر اپنی قربانی کا جانور ذبح کر لینے کے بعد حلال ہوتا ہے۔ اضافہ از مترجم]

(۲۸) ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو ''ترویہ'' کا دن کہتے ہیں۔ ''ترویہ'' کا معنی ہوتا ہے سیراب کرنا اور پلانا۔ چونکہ حاجی حضرات اس دن اونٹوں کو پانی پلا کر عرفات جایا کرتے تھے اس لیے اس کا نام ترویہ پڑ گیا۔

(۲۹) ایک دوسری حدیث میں اتنا اضافہ ہے: ''جو لوگ نیک بخت ہیں انہیں نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور جو بد بخت ہیں انہیں برے کاموں کی توفیق ملتی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶﴾ (اللیل) ''جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے) اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہا۔'' آخر تک' یعنی آیت نمبر ۱۰ تک۔

(۳۰) یعنی محرم پر جو چیزیں حرام ہوتی ہیں وہ تمام چیزیں حلال ہو گئیں۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ حج میں دو تحلل ہیں یعنی حلال اول اور حلال ثانی۔ یہی وہ بات ہے جس کی وضاحت چاہی تو آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ ہر طرح سے حلال ہو جائیں' کیونکہ عمرہ میں تو ایک ہی بار حلال ہونا ہے۔

(۳۱) مسجد حرام کے مشرقی جانب جون اور مسجد حرام کے درمیان وادی نما ایک جگہ تھی جسے بطحاء کہا جاتا

تھا۔ چونکہ یہ وادی مکہ کا ایک حصہ تھی اور یہاں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں' اس لیے اس کا نام بطحاء مکہ پڑ گیا تھا۔ آج یہ جگہ برابر کر دی گئی ہے۔ اب غزہ اور سوق اللیل جس علاقے کا نام ہے وہ تقریباً یہی علاقہ ہے۔

(۳۲) یہ بات صحابہؓ نے بطور تعجب و انکار کہی [کیونکہ اہلِ مدینہ کے نزدیک ایامِ حج میں عمرہ بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حلال تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دل میں تشویش باقی تھی اور بعض نے حلال ہونے میں آپ ﷺ کے دوسرے خطبے تک تاخیر کی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے احرام توڑ دینے کا بالکل تاکیدی حکم فرمایا۔ پھر تو تمام صحابہ کرامؓ [بجز ان کے جن کے پاس قربانی کے جانور تھے] حلال ہو گئے۔

(۳۳) یعنی جب یوم النحر کو منیٰ میں انہیں ذبح کر دوں گا تب۔

(۳۴) یہ بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کی بنیاد پر کہی ہے۔ اس لیے اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں کوئی تعارض نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ' ابوبکر' عمر رضی اللہ عنہم اور صاحبِ حیثیت لوگوں کے پاس قربانی کے جانور تھے۔ اسی طرح حضرت جابرؓ کا یہ قول حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیان کے خلاف بھی نہیں ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ہدی کا جانور تھا اور وہ بھی حلال نہیں ہوئے۔ [صحیح مسلم ۴ / ۵۵' ۳۰] کیونکہ جو جانتا ہے اس کا قول نہ جاننے والے کے خلاف حُجّت ہوتا ہے۔ [دیکھیے فتح الباری ۳ / ۴۷۳]

(۳۵) اس سے مراد اکثر اور عام لوگ ہیں ورنہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی انہی لوگوں میں شامل تھیں جو حلال نہیں ہوئے تھے' جیسا کہ آگے آ رہا ہے' حالانکہ ان کے ساتھ ہدی کا جانور بھی نہیں تھا' جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں تھے وہ حلال ہو گئے اور آپ ﷺ کی بیویوں کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں تھے۔

(۳۶) یہ فقرہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ بعض کتابوں میں اسی طرح مکرر وارد ہے۔

(۳۷) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ سنت یہ ہے کہ کوئی بھی شخص یوم ترویہ سے پہلے منیٰ نہ جائے۔ امام مالک نے اسے مکروہ شمار کیا ہے۔ بعض سلف کا خیال ہے کہ پہلے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے' البتہ ہمارا مذہب [شافعی] یہ ہے کہ یوم ترویہ سے پہلے منیٰ جانا خلافِ سنت ہے۔

(۳۸) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حائضہ عورت قرآن مجید کی تلاوت کر سکتی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نماز اور طواف کے علاوہ تمام اعمالِ حج ادا کرنے کی

اجازت دی' اور بلاشبہ قرآن مجید کی تلاوت [بشرطیکہ بغیر مصحف میں دیکھے ہوئے] حج کے دوران بہترین کاموں میں ہے۔ اگر حالتِ حیض میں قرآن مجید کی تلاوت جائز نہ ہوتی تو جس طرح آپ ﷺ نے طواف اور نماز سے منع فرمایا اسی طرح تلاوت سے بھی منع فرما دیتے۔ البتہ وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''جُنبی اور حائض قرآن نہ پڑھیں'' ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل امام البانیؒ نے ارواء الغلیل ح:۱۹۱ کے تحت بیان کر دی ہے۔

(۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ ان جگہوں میں بھی سوار ہونا افضل ہے' جیسا کہ حج کے پورے راستے میں سوار ہونا افضل ہے۔

(۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے' سورج کے طلوع ہونے سے قبل وہاں سے رخصت نہیں ہونا چاہیے۔

(۴۱) نَمِرہ اس پہاڑ کا نام ہے جو عرفات اور مزدلفہ کے درمیان میں واقع ہے۔ نہ ہی وہ عرفہ میں داخل ہے اور نہ ہی مزدلفہ میں۔ خانہ کعبہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دس کلومیٹر ہے۔ یہ پہاڑ حدودِ حرم میں نہیں ہے' بلکہ مزدلفہ کی طرف ہے۔ اس کے فوراً بعد سے حرم کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ نَمِرہ ''ن'' پر زبر اور ''م'' پر زیر پڑھا جائے۔ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر حدودِ حرم کے پتھر نصب ہیں۔ یہ عرفات میں داخل نہیں ہے۔

(۴۲) اس راستے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلبیہ اور تکبیر میں مشغول تھے۔ کوئی تلبیہ پڑھ رہا تھا اور کوئی ''اللہ اکبر'' کہنے میں مشغول تھا' جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۴۳) مشعر الحرام مزدلفہ کے میدان میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ عہد جاہلیت میں قریش یہیں ٹھہرتے تھے اور عرب کے باقی تمام لوگ مزدلفہ سے آگے بڑھ کر عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ اس لیے قریش کا خیال تھا کہ آپ ﷺ بھی ان کی [زمانہ جاہلیت والی] عادت کے مطابق مشعر الحرام ہی کے پاس ٹھہریں گے اور اس سے آگے نہ بڑھیں گے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو حکم تھا: ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (البقرۃ:۱۹۹) ''پھر تم بھی وہیں سے واپس ہو جہاں سے لوگ واپس ہوتے ہیں'' اس لیے آپ ﷺ بھی میدانِ عرفات تشریف لے گئے۔ قریش مزدلفہ میں اس لیے ٹھہرتے تھے کہ ان کا کہنا تھا ہم لوگ حرم کے پڑوسی ہیں' اس لیے اس سے باہر نہیں جائیں گے۔ یہ باتیں امام نوویؒ نے کہی ہیں۔

(۴۴) اس سے مراد وادی عرنہ ہے جو وادی عرفات سے تھوڑا پہلے ہے اور مسجد عرفات اسی وادی میں واقع ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تھا۔ یہ وادی عرفات سے خارج ہے۔

(۴۵) یعنی جو سود اصل پونجی سے زائد تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ﴾ (البقرۃ: ۲۷۹)

(۴۶) اس حکم میں عورتوں کے حقوق کی رعایت پر تنبیہہ اور بھلائی و دستور کے مطابق ان کے ساتھ حسنِ معاشرت کی وصیت ہے۔ عورتوں کے حقوق کے بیان' ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت اور ان کے حقوق میں کوتاہی پر تنبیہہ کے سلسلے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں جنہیں امام منذری کی الترغیب والترھیب ۳/ ۷۱' ۷۳ اور امام نووی کی ''ریاض الصالحین'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۴۷) ''اللہ کے کلمہ'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں امام نووی نے شرح مسلم میں علماء کے چار اقوال نقل کیے ہیں اور فرمایا کہ سب سے صحیح یہ قول ہے کہ اس سے مراد فرمان الٰہی: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۳) ''عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر لو'' ہے۔ [(ii) اس سے مراد کلمہ توحید ہے' (iii) کلمہ نکاح' یعنی ایجاب وقبول ہے' (iv) اس سے مراد فرمان الٰہی'' فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ'' (البقرۃ: ۲۲۹) ہے۔ اضافہ از مترجم]

(۴۸) اس کا مختار معنی یہ ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو تمہارے گھروں میں داخل ہونے اور بیٹھنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو' خواہ وہ کوئی اجنبی مرد ہو' عورت ہو یا عورت کے محارم میں سے کوئی ہو۔ یہ ممانعت ہر ایک کو شامل ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ پوری بحث شرح صحیح مسلم میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(۴۹) اس سے مراد ایسی مار ہے جو نہ تو بہت سخت ہو اور نہ ہی زیادہ تکلیف دہ ہو [کیونکہ اس مار کا مقصد صرف ڈرانا اور تنبیہہ کرنا ہے]۔ میں [البانی] کہتا ہوں کہ یہ ہلکی مار عورتوں پر مردوں کی حاکمیت وقوامیت کا ایک حصہ ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ الی آخر الآیۃ [النساء: ۳۴]۔ پوری آیت اس طرح ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴﴾ (النساء)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ پس نیک فرماں بردار عورتیں خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی اور

بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو۔ پھر اگر وہ تابع داری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔''

(۵۰) میں کہتا ہوں: اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا' کیونکہ کم لوگوں کے علاوہ بعد کے اکثر مسلمانوں نے جب کتاب الٰہی کو مضبوطی سے نہ تھاما اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ کی سنت پر جمے رہے تو گمراہ بھی ہوئے اور ذلیل وخوار بھی۔ انہوں نے انسانوں کے افکار ونظریات اور ان کے مذہب کو ایسی بنیاد بنالیا کہ باہمی اختلاف کی صورت میں انہیں کی طرف رجوع کرتے ہیں' یعنی کتاب وسنت کی جو بات ان کے خیالات کے موافق رہی اسے قبول کرلیا اور جو مخالف رہی اسے رد کردیا۔ حتیٰ کہ کسی کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہر ایسی آیت یا حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہے وہ منسوخ سمجھی جائے گی۔ اللہ کی رحمت ہو امام مالکؒ پر' انہوں نے کیا خوب کہا: ''اس اُمت کے آخری لوگوں کی اصلاح اسی چیز کے ذریعہ ہوسکتی ہے جس چیز کے ذریعہ اس اُمت کے اگلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔'' اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھام لیں اور اپنے تمام معاملات میں اسی کو حکم وفیصل تسلیم کرلیں اور اس پر انسانوں کی آراء میں سے کسی بھی رائے کو خواہ وہ مشرقی ہو یا مغربی' کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر مقدم نہ کریں۔

(۵۱) اس سے مراد وہ چٹانیں ہیں جو جبل رحمت کے نیچے پڑی ہیں [آج شاید ان کا وجود نہیں ہے]۔ جبل رحمت وہ پہاڑ ہے جو میدان عرفات کے بیچ میں واقع ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کی مستحب جگہ یہی ہے۔ البتہ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ پہاڑ پر چڑھنے کا اہتمام ہونا چاہیے اور ان کا یہ خیال کہ بغیر اس جگہ ٹھہرے عرفات میں ٹھہرنا صحیح نہ ہوگا' یہ سب غلط ہے۔

(۵۲) ایک سے زائد حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہے۔ میدانِ عرفات میں سنت یہ بھی ہے کہ تلبیہ پڑھتے رہا جائے۔ چنانچہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ عرفہ کے میدان میں تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے سوال کیا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں پڑھ رہے! ہم نے جواب دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے ڈر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اپنے خیمے سے نکلے اور پکارا: لبَّیک اللّٰھم لبیک۔ [مستدرک الحاکم ۱ / ۴۶۴' ۴۶۵۔ البیھقی ۵ / ۱۱۲] نیز معجم طبرانی الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ میدانِ عرفات میں کھڑے تھے' آپؐ نے تلبیہ پڑھا اور کہا: لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیک۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا: اِنَّمَا الخَیرُ

خَیرُ الآخِرَۃ۔ (اصل بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔) [اس حدیث کی سند حسن ہے]

(۵۳) اس میدان میں آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا۔ چنانچہ اپنی اونٹنی پر کھڑے تھے تو حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا جسے آپ ﷺ نے پی لیا' جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے۔

(۵۴) حدیث میں 'مَورِک رحلہ' کا لفظ ہے۔ مورک پالان کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو آگے کی طرف درمیان میں ہوتا ہے اور جب سوار پاؤں لٹکاتے لٹکاتے تھک جاتا ہے تو اٹھا کر اس پر رکھ لیتا ہے۔

(۵۵) آپ ﷺ اس حالت میں بھی برابر تلبیہ پڑھ رہے تھے' جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے۔

(۵۶) یہی صحیح ہے' اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ایک ہی اقامت سے دونوں نمازیں پڑھی جائیں' خلافِ سنت ہے اور اس بارے میں وارد حدیث بھی شاذ وضعیف ہے۔ دیکھیے نصب الرایہ ۳/ ۶۹'۷۰۔

(۵۷) امام ابن القیم لکھتے ہیں کہ اس رات آپ ﷺ نے تہجد کی نماز نہیں پڑھی' اور یہی صحیح ہے۔

(۵۸) اس سے مراد قُزَح نامی پہاڑ ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے۔

(۵۹) اس درمیان آپ ﷺ برابر تلبیہ پڑھتے رہے۔

(۶۰) اس جملے اور قبل ازیں بیان کردہ جملے کہ ''آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا'' سے پتا چلتا ہے کہ اگر جانور طاقتور ہو تو اپنے پیچھے کسی اور کو بھی سوار کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں' جیسا کہ امام نوویؒ وغیرہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

(۶۱) یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ملتا ہے' کیونکہ وہ یوم النحر کو [قربان گاہ کے قریب] پیش آیا۔ جب کہ یہ واقعہ وادی محسر سے پہلے کا ہے۔

(۶۲) مُحَسِّر ''حسر'' سے بنا ہے' جس کے معنی ہیں: تھک جانا اور عاجز ہونا۔ چونکہ اصحابِ فیل کے ہاتھی اس وادی میں روک دیے گئے تھے اسی لیے اسے وادی محسر کہتے ہیں۔ حافظ ابن القیم کہتے ہیں کہ وادی محسر منیٰ اور مزدلفہ کا برزخ ہے۔ نہ ہی وہ منیٰ کا حصہ ہے اور نہ ہی مزدلفہ کا۔ [علامہ البانی لکھتے ہیں کہ] صحیح مسلم اور سنن نسائی میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ محسر 'منیٰ' کا حصہ ہے۔

(۶۳) دیگر احادیث میں بھی وارد ہے کہ آپ ﷺ یہاں تیز تیز چلے ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ چلنے میں سنت طریقہ یہی ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جس جگہ اللہ کے دشمنوں پر عذاب نازل ہوا ہو وہاں سے گزرتے وقت اللہ کے رسول ﷺ کا معمول یہی تھا۔ چنانچہ

ایسا ہی آپ ﷺ نے دیارِ ثمود سے گزرتے وقت کیا تھا' غرض یہ کہ اپنے چہرے کو چھپا کر آپ ﷺ تیزی سے گزر گئے تھے۔

(۶۴) امام نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے پتا چلا کہ عرفات سے واپسی پر یہی راستہ اختیار کرنا سنت ہے' اور یہ راستہ اس سے الگ ہے جس سے آپ ﷺ عرفات تشریف لے گئے تھے۔

(۶۵) اس وقت آپ نے تلبیہ پڑھنا بند کر دیا' جیسا کہ فضل بن عباسؓ وغیرہ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(۶۶) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کنکریاں [لوبیا کے دانے کے برابر ہوتی ہیں اور مناسب یہی ہے کہ] نہ تو اس سے بڑی ہوں اور نہ ہی اس سے چھوٹی' لیکن اگر کنکری اس سے کچھ بڑی یا چھوٹی ہو تو بھی کافی ہوگی۔ علامہ ابن الاثیر الجزری 'النہایہ' میں لفظ 'خذف'' کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ کنکری شہادت کی دونوں انگلیوں کے درمیان رکھ کر پھینکنا ہے۔ علامہ البانی لکھتے ہیں: یہ کیفیت بعض حدیثوں میں بھی ایک سے زائد صحابہ سے مروی ہے' جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ کی حدیث سنن ابی داود' سنن النسائی' مسند احمد اور سنن کبریٰ بیہقی میں' حرملہ بن عمرو کی روایت امالی المحاملی اور فوائد المخلص میں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت طبقات ابن سعد اور صحیح مسلم میں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے مراد خذف جیسی کنکری کی وضاحت ہے یا پھینکنے کی کیفیت کا بیان ہے؟ حدیث کے الفاظ دونوں معنی دیتے ہیں لیکن پہلی بات ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ امام نووی اور امام ابن الہمام رحمہما اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے یہاں پر چند ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو اصل حدیث میں نہیں ہیں۔ تفصیل سے قطع نظر' ان مسائل کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

(i) یوم النحر کو سورج طلوع ہونے سے قبل کنکری مارنا جائز نہیں ہے' حتیٰ کہ کمزور مرد' عورتوں اور بچوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے لیے آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے رخصت ہونے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اہل وعیال کو پہلے ہی [مزدلفہ سے منیٰ کی طرف] روانہ کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ طلوع شمس سے قبل کنکری نہ ماریں۔ امام ترمذی: ۸۹۲' امام ابن حبان: ۳۸۵۸' ۶/ ۷۰۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے [الفتح ۳/ ۴۲۲]۔

(ii) اس دن کنکری زوال کے بعد تک' بلکہ رات تک مارنے کی رخصت ہے۔ لہٰذا جس کے لیے صبح کے وقت کنکری مارنا دشوار ہو' وہ اس رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ یوم النحر کو منیٰ میں اللہ کے رسول ﷺ

سے جب کوئی [ایسا] سوال ہوتا [کہ یہ کام پہلے کر دیا یا بعد میں کر دیا] تو آپ ﷺ فرماتے: کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے سوال کیا کہ: میں نے قربانی سے قبل سر منڈوا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی کرو کوئی حرج نہیں۔ سوال کیا کہ میں نے شام ہو جانے کے بعد کنکری ماری؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ کوئی حرج نہیں۔ [صحیح البخاری: ۱۷۳۵، الحج]۔ امام شوکانی اور ان سے قبل امام ابن حزم رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔

(iii) جب محرم جمرۂ عقبہ سے فارغ ہو جائے تو اس کے لیے بیوی کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے' اگرچہ اس نے حلق نہ کرایا ہو۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کو احرام کے لیے اور احرام سے حلال ہونے کے لیے اپنے ہاتھ سے عمدہ قسم کی خوشبو لگائی' جب آپ ﷺ نے احرام باندھا تھا' اور یوم النحر کو طواف افاضہ سے قبل' جب جمرۂ عقبہ سے فارغ ہوئے۔ [مسند احمد ۶ / ۲۴۵]۔ حضرات عطاء' مالک' ابوثور اور ابو یوسف رحمہم اللہ جیسے ائمہ کرام کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔ چنانچہ امام ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہی مسلک صحیح ہے۔ [المغنی ۳/ ۴۲۹]۔ البتہ کنکری مارنے کے ساتھ حلق کی بھی شرط لگانا صحیح نہیں ہے' جیسا بعض فقہی مذاہب اور حج سے متعلقہ متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ اس صحیح حدیث کے خلاف ہونے کے ساتھ کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے جو اس صحیح حدیث کے مقابل میں پیش کی جا سکے۔ البتہ وہ حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ جب تم کنکری مار لو' حلق کرا لو اور قربانی کر لو [جیسا کہ ایک روایت میں اس کا اضافہ ہے] تو تمہارے لیے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہو گئی۔ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ دیکھیے حدیث: ۱۰۱۳۔

(iv) کنکری چننے کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں ہے' بلکہ جہاں سے چاہے کنکری چن سکتا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی جگہ کی تعیین نہیں فرمائی' اور نہ ہی کسی حدیث میں کسی جگہ کی تعیین وارد ہے۔ اس سلسلے میں جو حدیث سب سے واضح ہے وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس یا حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مزدلفہ کی صبح [ایک روایت میں ہے کہ عقبہ کی صبح] اللہ کے رسول ﷺ اپنی سواری پر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے لوبیا کے دانے کے برابر کنکریاں چن لو۔ چنانچہ جب میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں رکھیں تو فرمایا: مثل هؤلاء '

ثلاث مرات، وایاکم والغلو فی الدین [ان جیسی کنکریاں مارو۔یہ بات تین بار فرمائی۔ اور دین میں غلو سے بچو]۔ النسائی:۳۰۵۹، المناسک، ابن ماجہ: ۳۰۲۹، المناسک، المنتقی لابن الجارود: ۴۷۳، صحیح ابن حبان: ۱۰۱۱، سنن کبریٰ للبیہقی اور مسند احمد ۱/ ۳۴۷، ۲۱۵۔ الفاظ ابن الجارود کے ہیں۔ واضح رہے کہ اس حدیث میں کہیں بھی اس کی صراحت نہیں کہ یہ کس جگہ کا واقعہ ہے، البتہ حدیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے یہ واقعہ جمرۂ عقبہ کے پاس کا ہے۔ اسی لیے امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے مغنی میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا [المغنی ۳/ ۴۲۵]۔ لہٰذا یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حاجی لوگ جو اپنی کنکریاں مزدلفہ پہنچنے کے بعد چننا شروع کر دیتے ہیں، تو سنت کے خلاف ہونے کے ساتھ روزانہ کی کنکریاں ساتھ رکھنے میں تکلف سے بھی کام لینا ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ جن کنکریوں کو رمی کے لیے استعمال کیا جا چکا ہے، انہیں اٹھا کر ان سے رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ اس کی ممانعت میں شریعت میں کوئی دلیل موجود ہے۔ امام شافعی اور امام ابن حزم رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ لوبیا کے دانے سے بڑی کنکری مارنا دین میں غلو ہے، تو ان جاہلوں کے بارے میں کیا کہا جائے جو جوتے وغیرہ پھینک کر مارتے ہیں۔

(۶۷) اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ اے لوگو! اپنے اس حج میں جو کام ہم نے کیا ہے یہ حج کے کام اور اس کا طریقہ ہے، اور یہی تمہارے لیے حج کا بھی طریقہ ہے۔ لہٰذا سیکھ لو، اسے قبول کرو، یاد رکھو، خود بھی کرو اور لوگوں کو بھی بتلاؤ۔ اعمالِ حج کے سلسلے میں یہ حدیث ایک عظیم بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح کہ ''صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي'' نماز سے متعلق ایک عظیم بنیاد ہے۔ [نوویؒ]

(۶۸) اس بیان میں اس طرف اشارہ و اعلان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب ہے۔ نیز لوگوں کو اس بات پر ابھارنا بھی مقصود تھا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سیکھنے کا اہتمام کریں اور دینی معاملات اخذ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو غنیمت سمجھیں۔ اسی لیے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ [نوویؒ]

(۶۹) ایام تشریق یوم النحر کے بعد تین دن ہیں۔ اس حدیث کی بنیاد پر جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ ان تین دنوں میں زوال کے بعد ہی کنکری مارنا جائز ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ایام تشریق میں کنکری مارنے کے لیے ترتیب شرط ہے۔ یعنی پہلے جمرۂ اولی سے جو مسجد خیف کے پاس ہے شروع کرے، پھر درمیانی جمرہ کو، اس کے بعد جمرۂ عقبہ کو کنکری مارے۔ نیز مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے جمرہ کو کنکری مار لینے کے بعد قبلہ رُخ ہو کر دیر تک اللہ کا ذکر اور دعا کرتا رہے۔ اسی طرح

دوسرے کو بھی کنکری مار کر قبلہ رُخ ہو کر ٹھہرے [اور دعا و ذکر میں دیر تک مشغول رہے]۔ البتہ تیسرے کو کنکری مارنے کے بعد نہ ٹھہرے۔ یہ طریقہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ عمل ایام تشریق کے تینوں دنوں میں سے ہر دن مستحب ہے۔ واللہ اعلم!

(۷۰) اس روایت کو جو حضرت عطاء نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اسی طرح وارد ہے۔ دوسری روایت جو قبل ازیں گزر چکی ہے' اس میں ہے کہ حضرت سراقہؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال سعی سے فارغ ہونے کے بعد مروہ کے دامن میں کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سراقہؓ نے یہ سوال شوق کے جذبے اور تاکید کے لیے دوبارہ کیا ہوگا۔ دیکھیے فتح الباری ۳/ ۴۸۰

(۷۱) امام نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نفلی ہدی اور قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ [علامہ البانی فرماتے ہیں کہ] میں کہتا ہوں کہ یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قارن تھے اور حضرت علیؓ بھی قارن ہی تھے اور قارن پر ہدی واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ہدی نفل نہ تھے بلکہ اس میں واجب ہدی بھی تھی۔ حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر اونٹ سے ایک ٹکڑا لیا تھا' اس لیے نفلی ہدی میں سے کھانے کو مستحب کہنا ظاہر کے خلاف ہے۔ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ روضة الندية صفحہ ۲۷۴ میں امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ بظاہر نفلی اور غیر نفلی میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَكُلُوا مِنْهَا''، یعنی اس میں سے کھاؤ۔

(۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ سر کو قربانی کے بعد منڈوائے' اور کنکری مار لینے کے بعد قربانی کرے۔ سنت یہ ہے کہ بال کاٹنے والا جس کے بال کاٹ رہا ہے اس کے دائیں جانب سے کاٹنا شروع کرے' برخلاف مذہب حنفی کے [ان کے نزدیک بال کاٹنے والا اپنے دائیں جانب سے شروع کرے گا]۔ اس کی دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [مزدلفہ سے] منیٰ تشریف لائے' جمرۂ عقبہ پر پہنچ کر اسے کنکری ماری' پھر منیٰ میں اپنی جائے قیام پر تشریف لائے' ہدی کا جانور ذبح کیا' پھر نائی سے فرمایا: لو اور دائیں جانب اشارہ کیا' جب اس سے فارغ ہو گیا تو پھر بایاں جانب اس کے سامنے کر دیا' پھر [وہ بال] لوگوں کو دینے لگے۔ [صحیح مسلم] محقق ابن الہمام نے یہاں انصاف سے کام لیا۔ چنانچہ فتح القدیر میں اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرمایا: اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حلق کرانے میں سنت کا طریقہ یہ ہے کہ حلق کروانے والے کے سر کے دائیں جانب سے شروع کیا جائے' جب کہ یہ مصنف کے ذکر کیے گئے مذہب کے خلاف ہے' حالانکہ یہی صحیح ہے۔

(۷۳) اس کا معنی یہ ہے کہ جو کام باقی رہ گئے ہیں انہیں پورا کرو۔ جو کچھ تم نے کیا وہ پورا ہو گیا اور اس تقدیم و تاخیر میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۷۴) اس میں ہدی کے جانوروں کا مکہ مکرمہ کے اندر ذبح کرنے کا جواز ہے جس طرح کہ اس کا منیٰ میں ذبح کرنا جائز ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن ۵/۲۳۹ میں صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اصل تو یہی ہے کہ ہدی کا جانور مکہ میں ذبح کیا جائے، لیکن خون کی گندگی سے بچنے کے لیے ایسا نہیں کیا گیا، اور منیٰ بھی مکہ کا ایک حصہ ہے۔ پہلی روایت میں حضرت عطاء روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مکہ میں ہدی کا جانور ذبح کرتے تھے اور عبداللہ بن عمرؓ مکہ نہیں بلکہ منیٰ میں ذبح کرتے تھے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر حاجی حضرات اس حکم کو جانتے اور مکہ ہی میں ذبح کرتے تو منیٰ میں ذبح شدہ جانوروں کے ڈھیر نہ لگ جاتے اور ماحول میں فساد کے ڈر سے اسے منیٰ میں دفن نہ کرنا پڑتا اور اس گوشت سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے اور حاجیوں کی بہت بڑی تعداد جس چیز کی شکایت کرتی ہے وہ ختم ہو جاتی۔ ایسا صرف اکثر لوگوں کی شریعت سے نادانی، اور جن فضائل پر شریعت نے ابھارا ہے اس کے مطابق عمل نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مثال کے طور پر وہ لوگ کمزور اور دبلے پتلے جانور ذبح کرتے ہیں، انہیں پال کر موٹا نہیں کرتے، پھر ذبح کر کے بغیر چھیلے کاٹے ویسے ہی چھوڑ دیتے ہیں، تو جب فقیر و صاحب حاجت وہاں سے گزرتا ہے تو وہاں ایسا مال نہیں پاتا جو اسے لے جانے اور اس سے مستفید ہونے پر ابھارے۔

میری رائے میں اگر لوگ درج ذیل چند گزارشات پر عمل کر لیں تو یہ شکایت دور ہو جائے:

i) بہت سے لوگوں کو مکہ ہی میں ذبح کرنا چاہیے۔

ii) یوم النحر ہی کو ذبح کرنے کے لیے بھیڑ نہ لگائیں بلکہ ایام تشریق میں بھی ذبح کریں۔

iii) جانوروں کو موٹا کریں [یا تندرست جانور خریدیں]، اس کی کھال نکال دیں اور بوٹیاں بنائیں۔

iv) اس میں سے کھائیں اور ممکن ہو تو گوشت کو اپنے ساتھ بھی لائیں، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

سب سے بہتر طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے اور اس اُمّت کے آخر کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے اس اُمّت کے پہلے لوگوں کی ہوئی تھی۔ نیز اس زمانے میں کچھ دوسرے ذرائع بھی میسر آ گئے ہیں، اگر ذمہ دار حضرات ان میں سے بعض کو کام میں لاتے تو یہ مشکل سرے سے حل ہو جاتی۔ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ عید کے چاروں دن بڑی بڑی گاڑیوں کا انتظام کیا جائے جس میں گوشت محفوظ کیے جاتے ہیں۔ منیٰ میں قربانی اور ہدی

کے اُس گوشت کو جمع کرنے کے لیے جنہیں حاجی حضرات چھوڑ دیتے ہیں' کچھ لوگوں کو تیار کیا جائے اور کچھ لوگوں کو گوشت کی کھال اتارنے اور کاٹنے کے لیے متعین کر دیا جائے۔ پھر اس گوشت کو ان گاڑیوں میں رکھ کر عید کے چاروں دن مکہ مکرمہ کے اردگرد دیہات میں چکر لگا کر فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح ہم اس مشکل کا حل نکال دیں۔ تو کیا ہے کوئی قبول کرنے والا؟ مترجم کہتا ہے کہ علامہ مرحوم نے یہ بات آج سے تیس سال پہلے کہی تھی اور اب کئی سالوں سے سعودی حکومت نے اس مسئلہ کا بہتر حل نکالا ہے جو ہر شخص جانتا ہے۔

(۷۵) پھر ہر وہ چیز جو حالت احرام میں حرام تھی اب حلال ہوگئی' جیسا کہ اس کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

(۷۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی عام بیان کیا ہے [کہ لوگوں نے طوافِ افاضہ کے ساتھ سعی نہیں کی] لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ داخل ہونے کے بعد طواف و سعی کے بعد عمرہ کی نیت سے حلال ہو گئے تھے ان لوگوں نے منیٰ سے واپس آنے کے بعد [طواف افاضہ کے ساتھ] ایک دوسری سعی کی اور جن لوگوں نے حج و عمرہ کو ایک ساتھ جمع کر لیا تھا [یعنی قارن تھے] انہوں نے ایک ہی سعی پر اکتفا کیا۔ صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اس کے بعد علامہ مرحوم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کی صحت پر جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے' کئی سطور میں ان کی تردید کی ہے۔ اہلِ علم حضرات اصل عربی کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

(۷۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان اسی طرح ہے' البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان صحیح بخاری و مسلم میں یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ کس صحابی کے بیان کو ترجیح حاصل ہے' یا دونوں کے بیان میں کس طرح تطبیق کی جائے! ان میں سے کسی پر بھی میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ جو تفصیل چاہتا ہے وہ شرح مسلم للنووی' زاد المعاد اور نیل الاوطار کی طرف رجوع کرے۔

فائدہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ تشریف لائے' ایام تشریق میں وہیں قیام پزیر رہے اور روزانہ ترتیب وار تینوں جمرات کو کنکریاں مارتے رہے۔ امام نووی کے بیان میں یہ گزر چکا ہے۔

(۷۸) اس کا معنی یہ ہے کہ بنو عبدالمطلب ڈول کے ذریعہ پانی نکال نکال کر حوض میں بھر رہے تھے اور لوگوں کو مفت پانی پلا رہے تھے۔

(۷۹) اس کا معنی یہ ہے کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی حج کے کاموں میں سے ایک کام ہے جس کی وجہ سے لوگ یہاں بھیڑ لگائیں گے' تمہیں پریشان کریں گے اور زبردستی

تمہیں یہاں سے ہٹادیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ اس پانی پلانے میں شریک ہوجاتا' کیونکہ اس کی بڑی فضیلت ہے۔[نووی]

(۸۰) یعنی طواف افاضہ یا طواف صدر۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ۳/ ۴۸۰ لکھتے ہیں کہ: تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طواف افاضہ یوم النحر کو کیا تھا۔

(۸۱) ایک دوسری حدیث صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: کیا لوگ دو اجر لے کر لوٹیں اور میں ایک اجر لے کر واپس چلوں؟

(۸۲) اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ ایسی چیز کی خواہش ظاہر کرتیں جس میں دینی اعتبار سے کوئی کمی نہ ہوتی' جیسے ان کا عمرہ کی خواہش ظاہر کرنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مان لیتے تھے۔ اس حدیث میں بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ خاص کر وہ امور جو عبادات سے متعلق ہوں۔[نووی]

(۸۳) شب حصبہ وہ رات ہے جو ایام تشریق کے بعد آتی ہے۔ اسے ایسا اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ جب منیٰ سے رخصت ہوئے تو محصب نامی مقام پر ٹھہرے اور وہیں رات گزاری [نووی]۔ محصب وہ وادی ہے جو مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے اور مقام ابطح تک پہنچاتی ہے [نہایہ]۔ علامہ البانی لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ حج کے اس حسن سیاق کے باوجود جہاں تک مجھے معلوم ہوسکا ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طوافِ وداع کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اسی قصہ کے آخر میں کیا ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم لوگ اپنے عمرہ سے فارغ ہوکر رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام پر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم فارغ ہوگئی؟ میں نے کہا: جی ہاں' تو آپ نے صحابہ کرام میں کوچ کی منادی کرادی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے رخصت ہوکر خانہ کعبہ آئے اور نماز صبح کا وقت ہونے سے پہلے ہی طواف سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابوداود۔ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

(۸۴) اس طواف اور طوافِ صدر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل نہیں کیا' جیسا کہ صحیحین میں مروی حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کی تعیین نہیں ہے کہ یہ کون سا طواف تھا۔ اس سے قبل یہ گزر چکا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ قدوم پیدل کیا تھا' اس لیے حدیث میں تطبیق کی ضرورت کے پیش نظر اس حدیث کو یا تو طوافِ افاضہ پر محمول کیا جائے یا پھر طوافِ وداع پر۔ واللہ اعلم! یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور ان سے مروی حدیث کی بعض روایات میں یہ صراحت مذکور ہے کہ سوال کا یہ

واقعہ مقام روحاء میں پیش آیا تھا' جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے واپس ہو رہے تھے۔ اس وجہ سے اس فقرے کو ہم نے یہاں [آخر میں] ذکر کیا ہے۔

(۸۵) یعنی اس سبب سے کہ تو اسے اٹھائے رہتی ہے' اسے ان امور سے بچا رہی ہے جن سے ایک محرم پرہیز کرتا ہے اور ہر وہ کام اس کی طرف سے کر رہی ہے جو ایک محرم کرتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی' امام مالک' امام احمد اور جمہور علماء کے لیے دلیل ہے کہ بچے کا حج منعقد اور صحیح ہوتا ہے' اور اس پر اسے اجر بھی ملے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلام کے واجب رکن حج کی جانب سے یہ کافی نہیں ہوتا' بلکہ یہ حج نفل شمار ہوگا۔ ہاں' ایک فرقہ اس بارے میں منفرد ہے جو کہتا ہے کہ یہی حج اس کے لیے کافی ہوگا۔ علماء نے اس قول کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بچے کا حج صحیح نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے ماننے والوں نے کہا کہ اس سے حج اس لیے کراتے تھے کہ اس کی تربیت ہو جائے اور بچہ اس کا عادی بن جائے تاکہ بعد میں صحیح طریقے سے حج کر سکے۔ امام نووی فرماتے ہیں یہ حدیث ان کی تردید کرتی ہے۔

(۸۶) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''مناسک حج'' میں لکھتے ہیں: باتفاق ائمہ سنت کا طریقہ یہ ہے کہ چادر و تہبند میں احرام باندھا جائے' خواہ وہ سلے ہوئے ہوں یا غیر سلے ہوئے۔ ہمارے دوست عبدالرحمٰن الافریقی' مدرس مسجد نبوی اپنی کتاب ''توضیح الحج والعمرہ، ص ۴۴'' میں لکھتے ہیں: سلے ہوئے کا معنی یہ ہے کہ چادر و تہبند طول و عرض میں سلے ہوئے ہوں۔ اس بارے میں عمومی طور پر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وہ کپڑا جو سلا ہوا ہو اس کا پہننا منع ہے خواہ اس کی سلائی انسانی اعضاء کے مطابق ہو یا نہ ہو بلکہ مطلق سلا ہوا کپڑا منع ہے' حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ جو سلے ہوئے کپڑے حالت احرام میں منع ہیں اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو انسانی عضو کے مطابق سلائے گئے ہوں جیسے قمیص' بنیان' جبہ' صدری اور پائجامہ۔ اسی طرح وہ کپڑا جو اعضائے انسانی کو احاطہ کیے ہوئے ہو اس کا پہننا بھی محرم کے لیے جائز نہیں ہے خواہ بنائی میں ایسا ہو۔ البتہ چھوٹے ہونے یا تنگ ہونے کی وجہ سے چادر میں جوڑ لگا ہو یا پھٹنے کی وجہ سے اسے سلا لیا گیا ہو' ایسا کپڑا جائز ہے۔

(۸۷) شیخ الاسلام ''مناسک'' میں لکھتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ فرض نماز یا اگر کسی نفل نماز کا وقت ہے تو اس کے بعد احرام باندھا جائے' اہلِ علم کا ایک قول یہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر فرض نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے بعد احرام باندھے ورنہ احرام کے لیے کوئی خاص نماز نہیں ہے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

❁❁❁

حیا' حیات اور بحرِ مُردار

ڈاکٹر ربیعہ ابرار ☆

﴿قَالَ اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ (الشعراء)

''اس (لوط علیہ السلام) نے کہا: بیشک مَیں تمہارے کام سے نفرت کرنے والوں میں سے ہوں۔''

اللہ کے پیغمبر لوط علیہ السلام سدوم اور اس کے گردونواح کی بستیوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ قومِ لوط تاریخ کے ابواب میں عبرت کا ایک جداگانہ مقام رکھتی ہے۔ جس طرح اس قوم کے جرم کئی تھے اسی طرح اس پر عذاب بھی ایک سے زائد آئے۔ زلزلے' تیز آندھی جو نشان زدہ پتھروں کی بارش لے کر آئی تھی' آخر میں جبریل علیہ السلام نے پوری بستی کو بلندی پر لے جا کر اوندھا دے مارا جس سے وہ زمین میں کئی فٹ دھنس گئی اور اس پر سمندر کا پانی چھا گیا جسے آج ''بحرِ مُردار'' یا ''بحرِ المیت'' کہا جاتا ہے۔ جو کبھی سرسبز و شاداب علاقے تھے' جب اپنے جرائم پر پکڑے گئے تو اس طرح کہ آج تک اس سمندر میں زندگی پنپ نہیں سکتی۔

قومِ لوط کا نمایاں ترین جرم ہم جنس پرستی تھا۔ فطرت کو الٹنے کی پاداش میں ہی ان پر زمین کو الٹا گیا تھا۔ وہ قوم نہ صرف اس قبیح فعل کی مرتکب تھی جس کے لیے ان کے پیغمبر نے سخت ترین نفرت اور بے زاری کا اظہار کیا تھا بلکہ وہ اس پر حد درجہ مطمئن اور خوش تھے اور اپنی مجلسوں میں اس قبیح فعل کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔ آج اگر ہم اپنے دور کا جائزہ لیں تو اس قوم کی تاریخ کو دہرایا جا رہا ہے' اور وہ بھی زیادہ شدید تر انداز میں۔ یہ گناہ جسے قرآن الفَاحِشة کہتا ہے (لفظ فَاحِشَة زنا اور اپنے باپ کی بیویوں سے نکاح کے لیے آیا ہے) اسے نہ صرف بے ضرر اور فطری عمل بنا کر پیش کیا جا رہا ہے بلکہ مزین بھی کیا جا رہا ہے۔ قوسِ قزح کے سات رنگوں والے جھنڈے سے اس کی نمائندگی کی جا رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ محبت تو محبت ہے' جو مرد و زن کی تفریق سے بالا ہے۔ ہم جنس کی طرف رغبت بھی خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اپنی خواہش کی

☆ای میل: rabiaabrar24@yahoo.com

تکمیل ہر انسان کے بنیادی حقوق میں سے ہے۔ یہ شیطان کے چند وار ہیں جن کے ذریعے وہ اس برائی کو قابل قبول بنا رہا ہے۔

اس معاملے کی شدّت کو سمجھنے کے لیے اگر ماضی قریب کی تاریخ کو دیکھا جائے تو اس رجحان کو لے کر آئے تغیّر سے چند اہم چیزیں منکشف ہوتی ہیں۔ ایک دور تھا کہ ہم جنس پرستی غیر مسلموں میں بھی اخلاقی' قانونی' سیاسی' مذہبی ہر اعتبار سے جرم اور معیوب سمجھی جاتی تھی۔ ۱۹۵۲ء میں نفسیات کی معروف ترین کتاب Diagnostic & Statistical Manual پہلی بار شائع ہوئی تو اس میں ہم جنس پرستی کو نفسیاتی مرض قرار دیا گیا تھا۔ عقل و شعور رکھنے والا کوئی بھی شخص اس قابلِ نفرت فعل میں نہیں پڑنا چاہے گا اِلّا یہ کہ کسی کی خواہش اُس کی عقل پر غالب آجائے اور پھر وہ رشد و فراست سے بالکل ہی محروم ہو۔ پیغمبر لوط علیہ السلام نے بھی اس مقصد کے لیے اپنے پاس آنے والے لوگوں سے یہی کہا تھا کہ:

﴿اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ ﴿۷۸﴾﴾ (ھود)

''کیا تم میں کوئی بھی سمجھ دار آدمی نہیں!''

پچھلی صدی کے نصف اول تک امریکہ جیسے آزاد ملک میں بھی مردوں کا عورتوں جیسا حلیہ اختیار کرنا جرم سمجھا جاتا تھا اور ہم جنس پرستی قابلِ مذمت گردانی جاتی تھی۔ اس کے حامی البتہ چوری چھپے اپنے مقاصد پورے کر رہے تھے اور ساتھ ہی یہ تحریک بھی شروع ہو چکی تھی کہ نہ صرف اس کام کو نفسیاتی بیماری سمجھنا بند کیا جائے بلکہ اس کو جرم قرار دینا بھی درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ان کی ایک بڑی فتح Stonewall Riots یا Stonewall Rebellion تصوّر کی جاتی ہے۔ جون ۱۹۶۹ء میں پولیس اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے ایک کلب میں چھاپہ مار کر مخالف جنس کا حلیہ اختیار کرنے والوں کو گرفتار کر رہی تھی کہ وہاں موجود لوگوں نے خوب دنگا فساد کیا اور یہ سلسلہ تین روز تک چلا۔ اس واقعے کی یاد میں اس تحریک کے حامی ہر سال جون کے مہینے کو ''Pride Month'' کے طور پر مناتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس مقام پر جہاں وہ کلب تھا' ایک یادگار تعمیر کی جا رہی ہے جس کا افتتاح یکم جون ۲۰۲۴ء کو کیا جائے گا۔ اس کی تختی پر درج ہے:

"55th Anniversary of Stonewall Rebellion"

یعنی وہ معاملہ جو حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں تھا کہ وہ لوگ یہ بُرا کام اپنی مجالس میں کرتے تھے تو ہے ہی' اور یہ بھی کہ اُن لوگوں کی طرح یہ بھی باغی لوگ (عَادُون) ہیں (الشعراء:۱۶۶) البتہ یہ لوگ آج قومِ لوط سے بھی اس اعتبار سے آگے بڑھ گئے ہیں کہ اپنے کاموں پر فخر کر رہے ہیں اور یادگاریں تعمیر کر رہے ہیں۔

ماضی کی اس جھلک کو ذہن میں رکھتے ہوئے جائزہ لیا جائے کہ محض نصف صدی میں کیا کچھ بدل چکا ہے۔ پہلے مخالف صنف کی عادات واطوار کو اپنانا نفسیاتی مسئلہ گردانا جاتا تھا' اب نہ صرف ایسا کرنے والوں کی عقل کو صحیح وسالم سمجھا جاتا ہے بلکہ ہم جنس پرستی' مرد کا خود کو عورت اور عورت کا خود کو مرد سمجھنا' یا بیک وقت دونوں کی خصوصیات اپنے اندر پانا یہ سب نفسیات کے اعتبار سے ایک صحت مند رویہ سمجھا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ کنورژن تھراپی کی کوئی بھی قسم (یعنی کسی کو اس کی قدرتی جنس کی طرف راغب کرنا) قابلِ سزا جرم قرار پاتا ہے۔

۱۹۶۹ء کی ایک رات کو ہونے والے واقعے کے ضمن میں ۲۰۱۹ء میں نیویارک شہر کے پولیس کمشنر نے اپنے ادارے کے رویے کی معافی مانگی' حالانکہ تب پولیس اُس وقت کے قانون کے تحت مخنثوں کو گرفتار کر رہی تھی اور فسادات کے ذمہ دار پولیس کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس تحریک کے حامی اس قدر طاقت ور ہو چکے ہیں کہ نہ صرف وہ قانون تبدیل کروا چکے ہیں بلکہ ماضی میں اپنی قانون شکنی پر اب معذرت بھی طلب کروا لیتے ہیں۔

قِصّہ مختصر' پچھلی نصف صدی میں عمل قوم لوط ایک قباحت اور غیر قانونی فعل کے بجائے جائز' پسندیدہ اور قابلِ قبول بن چکا ہے۔ آج LGBTQ + لابی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے غیر فطری کاموں کو طبعی اور معمول کی شے ثابت کر دیں' اس طرح کہ پھر ایسے کام نامناسب ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن سے نہ گزرے۔

اس تحریک کو جن قوتوں کی سرپرستی حاصل ہے وہ بے تحاشا دولت اور اثر ورسوخ کے مالک ہیں۔ ان کے پنجے سیاسی نظام' تعلیمی اداروں' شعبہ طب' میڈیا' فیشن انڈسٹری ہر جگہ گڑے ہوئے ہیں۔ آج جہاں عوام الناس میں اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے وہیں نوجوان طبقے پر اس کے اثرات تشویش ناک ہیں' اس لحاظ سے کہ ایک بڑھتی ہوئی تعداد کا رجحان اب اس فعل

کی طرف ہے جواب غلط نہیں سمجھا جا رہا۔ صرف نوجوان طبقہ ہی نہیں‘ ان اثرات سے معصوم بچے بھی محفوظ نہیں۔ اسکولوں میں باقاعدہ طور پر یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ کسی کا بظاہر مرد یا عورت ہونا معنی نہیں رکھتا بلکہ اہم یہ ہے کہ آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں۔ مرد مرد سے محبت اور شادی کر سکتا ہے جبکہ عورت عورت سے۔ فیملی (خاندان) دو ماؤں یا دو باپوں کی بھی ہو سکتی ہے‘ یعنی ایک ماں اور ایک باپ ہونا ضروری نہیں۔

LGBTQ + کا فتنہ آج کے دور کا سب سے تیزی سے بڑھتا ہوا فتنہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ عمل قوم لوط تو اس کا محض ایک پرتو ہے۔ شیطان نے جہاں بُرائی کو مزیّن کرنے کے اپنے دعوے کو پورا کیا ہے وہیں وہ اپنے اس وعدے پر بھی پورا اتر رہا ہے کہ مخلوقِ خدا اس کے اکسانے پر ضرور خالق کی تخلیق میں تبدیلی کرے گی (النساء:۱۱۹)۔ جہاں بھنویں بنوانے‘ جسم میں نیل بھروانے (نقش ونگار) اور دانتوں کے بیچ فاصلہ کروانے جیسی معمولی تبدیلیاں لعنت کا سبب ٹھہریں وہیں آج جنس کی تبدیلی کے لیے لوگ لامتناہی تبدیلیاں اپنے وجود میں کیے چلے جا رہے ہیں‘ جن میں ظاہری خدوخال‘ ہارمونز کے نظام اور جسم کے قابل شرم حصوں کی تبدیلی شامل ہے۔ خالق سے دُور جا رہی مخلوق خود خدا بننے پر تلی ہے۔ ایک مُردہ عورت سے دوسری زندہ عورت میں رحم مادر کی کامیاب پیوندکاری کی جا چکی ہے‘ اور اب کوشش یہی ہے کہ مرد سے بھی اولاد پیدا کروائی جائے تاکہ مرد عورت کا فرق ہی مٹ جائے۔ ۴۲۴ ملین ڈالر ان مقاصد پر خرچ ہو رہے ہیں اور اس رقم کے مزید بڑھنے ہی کا امکان ہے۔

بحیثیت ایک اُمّت جو برپا ہی لوگوں کی بھلائی اور اصلاح کے لیے کی گئی ہے‘ آج ہم حق پر انجانے میں سست ہو گئے ہیں۔ دوسری جانب باطل کے پیروکار اللہ کی نافرمانی کے کاموں کو نہایت مستعدی سے عام کر رہے ہیں‘ یہاں تک کہ اب مسلمان ممالک بھی ان کے شر سے محفوظ نہیں۔ اس کا اندازہ ۲۰۲۲ء میں قطر میں منعقدہ عالمی فٹ بال مقابلوں سے لگائیے جہاں LGBTQ + لابی بھی اپنی بھرپور نمائش اور نمائندگی چاہتی تھی اور جب انہیں اس سے روک دیا گیا تو انہوں نے اس کا خوب واویلا کیا۔ مگر یہ صرف ایک موقع تھا جہاں کسی اسلامی ملک نے اپنی اقدار کی شرم رکھتے ہوئے برائی کی اشاعت کو روکا تھا‘ وگرنہ فلموں‘ ڈراموں‘ اشتہارات کے ذریعے سے مسلمانوں کی نسلوں تک کیا کچھ نہیں پہنچ رہا ہے۔ پھر انٹرنیٹ کے اس دور میں ایسا کیا

ہے جو کسی سے مخفی رہ گیا' یہاں تک کہ ہمارے آپ کے موبائل سٹکرز میں بھی یہ پیغام موجود ہے' حمل زدہ آدمی' دو مردوں اور دو عورتوں کے درمیان محبت' دو مرد اور دو عورتیں بطور والدین اور مخنث کے ایموجی کی شکل میں۔

وطن عزیز پاکستان میں بھی ٹرانس جینڈر بل منظور کروانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اسے انسان کے اس حق کا پاس دار قرار دیا گیا کہ اگر کوئی مرد خود کو عورت اور کوئی عورت خود کو مرد کہلوانا چاہے' ان کے جیسا حلیہ اختیار کرنا چاہے' ان کی مخصوص جگہوں مثلاً بیت الخلا یا قطاریں وغیرہ استعمال کرے تو انہیں قانون کی سرپرستی حاصل ہوگی۔ یعنی کوئی ایسا آدمی جو خود کو عورت کہہ دے اور خواتین کی کسی جگہ پر چلا آئے تو اس بل کے تحت وہ قانونی طور پر حق بجانب ہے۔

میڈیا اور لبرل طبقہ تو پہلے ہی گوروں کی تقلید میں ہر اُس شے کا حامی ہے جو ان کو جدید لگتی ہے۔ ۲۰۲۲ء ہی میں ٹرانس جینڈر کے موضوع پر پاکستان سے ایک فلم ریلیز ہوئی تھی' جسے دنیا میں کافی شہرت اور پزیرائی ملی۔ مسلمانوں میں اس برائی کو پھیلانے کے خواہش مندوں نے اس فلم کو عالمی سطح پر کئی اعزازات کے لیے چنا' اور ہونا بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے آئے اس طرح کے کسی بھی مواد کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ بات صرف فلموں اور ڈراموں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ شر پسند ہر ممکن طور پر مسلمانوں میں فحاشی پھیلانے کے خواہاں ہیں۔ گزشتہ سال امریکی صدر نے پانچ لاکھ امریکی ڈالر پاکستانی اساتذہ کو دینے کی پیشکش کی تاکہ وہ اپنے ملک میں موجود ٹرانس جینڈر نوجوانوں کو مضبوط بنا سکیں۔ اس پروگرام کا مقصد پاکستانی اور پاکستان میں مقیم افغانی اساتذہ کو تربیت دینا ہے تاکہ ۱۳ سے ۲۵ سالہ ٹرانس جینڈر نوجوانوں کو انگریزی سکھا کر ان کو بین الاقوامی ٹرانس جینڈر برادری سے جوڑا جائے اور ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو نکھارا جائے۔ اس پروگرام میں شمولیت کے خواہش مند افراد سے کہا گیا ہے کہ وہ درخواست میں یہ بھی لکھ بھیجیں کہ زیادہ سے زیادہ پاکستانی اور افغانی ٹرانس جینڈر نوجوانوں تک رسائی اور رابطہ کس طرح ممکن ہے۔ باطل تحریک کے حامی پاکستان اور افغانستان کو خاص طور پر اپنا ہدف بنا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بنگلہ دیش میں بھی بچوں کی نصابی کتابوں میں اپنے پیغامات مخفی انداز میں شامل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

واضح رہے کہ لفظ ٹرانس جینڈر اس شخص کے لیے ہے جو پیدائشی طور پر مکمل مرد یا عورت ہو

لیکن وہ مخالف جنس کے طور پر خود کو شناخت کرے۔ وہ لوگ جو پیدائشی طور پر کسی آزمائش کا شکار ہوتے ہیں ان کے لیے ''انٹرسیکس'' کا لفظ آتا ہے۔ اس کے لیے تو پسندیدہ ہے کہ وہ طبی علاج کے ذریعے اس درمیانی کیفیت سے اپنی غالب جنس کی طرف خود کو منتقل کریں۔ ایسے لوگوں کی طرف معاشرے کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں ایک باعزت زندگی گزارنے دیں۔ البتہ انٹرسیکس لوگوں کی آڑ میں ٹرانس جینڈر افراد کا تحفظ اور فروغ ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

الحمدللہ، گزشتہ سال شرعی عدالت نے ۲۰۱۸ء کے ٹرانس جینڈر بل کو رد کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ سلسلہ تھما نہیں۔ مرد آپس میں شادیاں بھی کر رہے ہیں اور چند ٹرانس جینڈر افراد سوشل میڈیا پر اپنے شوز چلا رہے ہیں جن میں کئی مرتبہ نامناسب مواد زیرِ گفتگو ہوتا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اب تو پاکستان میں کئی معروف خواجہ سرا آگاہی کے نام پر اس چیز کی تعلیم عام کر رہے ہیں کہ اپنی پیدائشی جنس کے علاوہ جنس اختیار کرنا بھی جنسی صحت کے لیے اچھا ہے۔

بلاشبہ LGBTQ عصرِ حاضر میں ایک عظیم فتنہ ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ اس کے سدباب کے لیے جِدّوجُہد کریں۔ اس حوالے سے چند رہنما اصول مندرجہ ذیل ہیں:

☆ حیا

سدِ ذرائع میں پہلی اور بنیادی چیز برائی کی جڑ کو پکڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے اور فطرت کو مسخ کرنے والے اس گناہ کے پیچھے اصل شے حیا کا ختم ہو جانا ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ حیا سبھی پیغمبروں کی تعلیم رہی ہے۔ مفہومِ فرمانِ رسول اکرم ﷺ ہے کہ ''جب تم حیا نہ کرو تو پھر جو جی چاہے کرو۔'' (صحیح بخاری: ۳۴۸۹) حیا ہمارے ایمان کی شاخ ہے اور درحقیقت یہی حیات (زندگی) ہے (حیا اور حیات کا مادہ ایک ہی ہے)۔ جہاں سے یہ ختم ہو جائے وہاں بحرِ مردار وجود میں آتے ہیں جن میں پھر کبھی زندگی کی کوئی رمق نہیں پائی جاتی۔

☆ علم دین

قرآن حکیم اور سُنّتِ رسولِ کریم ﷺ وہ دو چیزیں ہیں جن کو مضبوط تھامنے والا کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ عصرِ حاضر میں جب دنیا کی اخلاقی اقدار ہر لحظہ بدل رہی ہیں اور تقریباً تمام مذاہب خود کو لوگوں کی خواہشات کے سانچے میں ڈھالتے، مسخ ہوتے چلے جا رہے ہیں وہاں دینِ اسلام وہ مضبوط کڑا (العُروۃ الوُثقٰی) ہے جس کو تھامنا ہر سیلِ رواں سے بچانے کو کافی

ہے۔ آج یہ ضرورت ہمیشہ سے زیادہ قوی ہے کہ ہم اپنی اولاد کو قرآن وسنّت کی تعلیم دیں‘ تاکہ جب بھی وہ کسی نئے فتنے کے روبرو ہوں تو درست طریقے سے اس کا سامنا کر سکیں۔

☆عبادات

علم اور عمل لازم وملزوم ہیں۔ علم اگر تلوار ہے تو عبادت ڈھال ہے۔ نماز سے اگر بندگی کی تعلیم ملتی ہے تو یہ فحاشی سے مانع بھی ہے۔ ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ﴾ (العنکبوت:۴۵) روزہ خواہشات کو توڑنے والا‘ نفس کو زیر کرنے والا ہے۔ اللہ کا ذکر اور اس کی یاد دل کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ درحقیقت یہ تقویٰ ہی ہے جو انسان کو ہر چیز سے کافی ہو جاتا ہے۔ شیطان کا تسلّط اُسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل ہو۔ ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾﴾

(الزخرف)

’’اور جو کوئی منہ پھیر لے رحمٰن کے ذکر سے‘ اُس پر ہم ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں‘ تو وہ اس کا ساتھی بنا رہتا ہے۔‘‘

☆عقلی دلائل

اللہ کا حکم ہونا یقینی طور پر کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی آخری حجت ہونا چاہیے۔ اگر ہمارے بچے کسی بھی معاملہ کے بارے میں عقلی دلائل کا تقاضا کریں تو بجائے اس کے کہ انہیں لعنت ملامت کر کے خود سے دور کر دیں‘ تسلی بخش جواب دیں‘ ورنہ شیطان کے ساتھی انہیں اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دین سے دور کر دیں گے۔ اسلام عقل اور شعور کا دین ہے۔ جب یہ باطل سے ٹکراتا ہے تو اس کا مغز نکال کر رکھ دیتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حق کو حق طریقے پیش کریں۔ پھر یہ تو اللہ عزوجل کا فیصلہ ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ (سورۃ الزمر:۹) لہٰذا آگاہ رہیے اور آگاہی دیتے رہیں۔

مثال کے طور پر ہم جنس پرستوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ محبت تو محبت ہے‘ کوئی شخص فطری طور پر اگر اپنے ہم جنس کی طرف راغب ہے تو یہ اختیاری نہیں ہے۔ بہت سے سادہ دل لوگ جو اس فعل میں خود مبتلا نہ بھی ہوں تو وہ اس دلیل سے قائل ہو کر ان لوگوں سے ہمدردی رکھنے لگتے یا

کم سے کم اسے برا جاننا بند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات کوئی بھی ذی شعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ جوڑا نر اور مادہ کا ہوتا ہے۔ یہی قانونِ فطرت ہے جبکہ افزائش نسل اور بقائے حیات بھی اسی طریقے پر ہے۔ رہی بات خواہشات اور رغبت کی تو ہم جنس سے ہو یا مخالف جنس سے، نکاح کے تعلق سے باہر ان پر قابو رکھنا ہی تو نفس کا جہاد ہے۔ شیطان جو انسان کے لہو کے ساتھ گردش کر رہا ہے، وہ اسے بیسیوں غیر فطری اور غیر انسانی کام سجھاتا ہے کہ انسان اپنے مقام و مرتبے سے گر جائے۔ یہ کام ہمارا ہے کہ ہم خواہشات کو اپنا اِلٰہ نہ بننے دیں۔

☆ شکر گزاری

ایک اور عملی حکمت جو ہمیں قرآن حکیم سے معلوم ہوتی ہے وہ ہے شکر گزاری۔ سورۃ القمر کی آیت ۳۵ میں لوط علیہ السلام اور ان کے اہل کے لیے آتا ہے کہ یہ نجات ہماری نعمت تھی جو شکر گزاروں کو ملا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم شکر گزار ہوں جس حال پر بھی باری تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ مرد پیدا کیا گیا ہے تو اس پر مطمئن ہوں، عورت بنایا گیا ہے تو اس پر خوش رہیں۔ اللہ کے ہاں سب کی نیکی مقبول ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ (آل عمران: ۱۹۵)

+LGBTQ کے عجیب فلسفوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی روح غلط جسم میں قید ہے۔ مثلاً کوئی مرد زنانہ شوق رکھتا ہے تو اس کا موقف یہ ہوتا ہے کہ میری روح عورت کی ہے اور غلط طور پر مرد کے جسم میں قید ہے۔ لہٰذا اب وہ خود پر طبی اور جراحی کارروائیاں کروا کے عورت بن جائے گا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ خود پر کوئی تبدیلی کروائے۔ کوئی بھلا چنگا، بیوی بچوں والا آدمی بھی اگر اچانک بیٹھے بیٹھے کہہ دے کہ میں عورت ہوں تو LGBTQ لابی کے نزدیک اب باقی دنیا پر یہ لازم ٹھہرا کہ وہ اسے عورت ہی سمجھیں۔ اور بات محض مرد عورت پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ سو سے زائد اجناس ہیں اور ہر فرد وہی ہے جو وہ خود کو محسوس کرے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خود کو چاند سمجھتے ہیں (Abrogender)، بعض خود کو پیڑ کہتے ہیں، بہت سے خود کو otherkin کہتے ہیں۔ کچھ نے ہزاروں ڈالر خرچ کر کے کتوں کے جسم جیسے ملبوس بنوائے ہیں۔ وہ چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے ہیں، پیالے میں منہ ڈال کے کھانا کھاتے ہیں۔ کچھ خود کو بلی، کچھ خود کو کوّا سمجھتے ہیں۔ گویا شیطان نے اپنا یہ دعویٰ سچ کر دکھایا کہ ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷﴾

(الاعراف) ''اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا۔'' اللہ کریم نے تو انسان کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کا اعزاز بخشا' مسجودِ ملائک بنایا لیکن آج انسان ہے کہ اسفل سافلین ہوا جا رہا ہے۔ سچ فرمایا اللہ ربّ العزت نے کہ جو لوگ اُسے بھول جاتے ہیں تو وہ انہیں ان کا اپنا آپ فراموش کرا دیتا ہے۔'' (الحشر:۱۹)

☆ مشابہت سے اجتناب

سد ذرائع کے سلسلے کی ایک نہایت اہم کڑی ''کراس ڈریسنگ'' یعنی مخالف جنس کی مشابہت سے بچنا ہے۔ آج میڈیا اور عالمی شہرت یافتہ برانڈز شدت سے اس کو فروغ دے رہے ہیں اور یہ رجحان تیزی سے رائج ہو رہے ہیں۔ مرد عورتوں کے بھاری بھر کم لباس اور زیورات سے زیبائش اختیار کریں جبکہ عورتیں مردانہ لباس پہنیں اور بال بھی چھوٹے رکھیں۔ مرد اور عورت کی مساوات کے نام پر پھیلتی ہوئی بے راہ روی جہاں اس امر پر مصر تھی کہ عورتیں ہر وہ کام کر سکتی ہیں جو مرد کرتے ہیں' اب اس کی نئی اور بدتر شکل یہ سامنے آ رہی ہے کہ جینڈر رولز پر اعتراض اٹھایا جا رہا ہے۔ جیسے کہ گھر اور بچے عورت ہی کی ذمہ داری کیوں ہوں؟ اب تو یہ بھی کہہ دیا گیا کہ درحقیقت جنس کوئی شے نہیں' یہ بس معاشرتی تفریق ہے۔ آپ چاہیں تو خود کو اس سے آزاد کر لیں' یعنی خود کو جینڈر رفلوئڈ قرار دے لیں۔ صبح کو مرد شام کو عورت بن جائیں' پھر اگلے دن مرد خود کو مرد کہیں' یا ایک وقت میں دونوں بن جائیں' یا دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہوں۔ ایک عجیب الجھاؤ ہے جو ان کے نظریوں میں پایا جاتا ہے۔ سائنس کو مذہب ماننے والے لوگ نہ صرف اخلاقیات' مذہب اور عقل کے خلاف جا رہے ہیں بلکہ سائنسی حقائق تک کو خلط ملط کرنے سے بھی گریزاں نہیں۔ وہ جو ایک آفاقی سچ ہے' پیدائش سے بھی پہلے اور موت کے کئی سالوں بعد بوسیدہ ہڈیوں سے جو جو چیز تشخیص کی جا سکتی ہے یعنی انسان کا مرد یا عورت ہونا' اسے جھٹلانا اور اس کے خلاف جانا صریح گمراہی ہے۔ وہ بات جس کی بنیاد پر لوگوں میں ابہام پیدا کیا جا رہا ہے' اس کے متعلق اسلام اپنا واضح موقف رکھتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝٣﴾ (الیل)

''اور قسم ہے اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔''

بات بالکل واضح ہے کہ دنیا میں دو ہی جنس ہیں' مرد اور عورت۔ یہ پیغام اللہ تعالیٰ نے نہ

صرف اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے بلکہ انسان کے اپنے نفس میں بھی رکھ دیا ہے۔ ظاہری خدوخال، قدوقامت، پسند ناپسند، نفسیات، ترجیحات، آواز، انداز، سوچ سے لے کر انسانی جسم کی خردبینی اکائی یعنی اس کے خلیوں تک میں یہ تفریق موجود ہے۔ مرد اور عورت کے genes تک مختلف ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ﴾ (آلِ عمران: ۳۶) ''اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔''

درحقیقت جس طرح اسلام جان، مال اور عزّت کا تحفظ چاہتا ہے اسی طرح انسان کی شخصیت اور کردار کی مضبوطی کا بھی خواہاں ہے اور اس کے ذرائع بھی بتا دیتا ہے۔ اس لیے مخالف جنس کی مشابہت اختیار کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ (ابن ماجہ: ۱۹۰۳)

☆صحبتِ صالحین

وہ دوست جو دین پر قائم رکھنے میں معاون ہوں، ان کی اہمیت پر جتنا زور دیا جائے کم ہے۔ شیطان کا حملہ اس شخص پر شدید تر ہوتا ہے جو اکیلا ہو۔ صحبت کا اثر ہر شخص پر ہوتا ہے۔ نامور فنکار جن کے کروڑوں مداح ہوتے ہیں، اس وقت LGBTQ کے الجھاؤ کا شکار ہو گئے جب وہ اس تحریک کے ساتھیوں کی صحبت میں تھے۔

☆ذاتی محاسبہ

تزکیہ نفس ہر برائی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ہم ذاتی طور پر اپنی حیا کا بھی خیال رکھیں اور بحیثیت قوم بھی اپنے رویوں کو جانچتے رہیں۔ آج پاکستانی میڈیا پر جہاں بے حیائی کی یلغار ہے وہیں LGBTQ+ کے حوالے سے بھی مواد دکھایا جانے لگا ہے۔ تشویش ناک بات اس طرح کی چیزوں پر آنے والے ویوز ہیں۔ بے تحاشا لوگ بنا سوچے سمجھے دیکھتے اور محظوظ ہوتے ہیں جس سے بنانے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ دو سال پہلے LGBTQ+ کے موضوع پر پاکستان میں فلم بنی جس میں کئی قابلِ اعتراض چیزیں تھیں۔ دینی غیرت رکھنے والے افراد نے جب احتجاج کیا تو کئی لوگ متجسّس ہو کر اس فلم کو دیکھنے گئے۔ اس پر بعض کہنے والوں نے کہا کہ نہ مولوی حضرات اعتراض کرتے نہ فلم کی شہرت بڑھتی۔ کیا نہی عن المنکر کا حکم اللہ کا دیا ہوا نہیں؟ کیا اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ریاست میں اس طرح کے کام ہونا اور بے روک ٹوک ہونا درست ہے؟ بحیثیت قوم ہمیں خود کو پرکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ کیا ہم اس قدر اخلاقی زوال کا شکار

ہو گئے ہیں کہ کوئی ہمیں کیچڑ میں چلنے سے منع کرے تو ہم پھر بھی اس میں جا پڑیں گے، محض یہ دیکھنے کے لیے کہ گندگی کیسی ہوتی ہے۔ فتنوں کے بارے میں تعلیم نبوی یہ ہے کہ ان سے دور رہا جائے، کیونکہ ان میں جھانکنے والا بھی ان میں مبتلا ہو جائے گا۔

☆ دعا

ایک آخری مگر قوی ترین ہتھیار دعا کا ہے، جو ڈھال بھی ہے اور تلوار بھی۔ آج کے ہم جنس پرست کبھی جانوروں سے اس فعل کے فطری ہونے کے شواہد لیتے ہیں، تو کبھی آثارِ قدیمہ سے اس فعل کے صدیوں پرانا ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ ماضی قریب میں جو اسے برا سمجھا جاتا تھا تو وہ سیاسی وجوہات کی بنا پر تھا ورنہ اس میں کچھ غلط نہیں۔ یہاں سورۃ الاعراف کی آیت ۲۸ ذہن میں گونج جاتی ہے:

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ﴾

''اور جب وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔''

عین اسی طریقے پر آج ہم جنس پرستی جیسے قبیح فعل کو غیر محسوس طریقے سے ایک عام اور معمول کی بات بنایا جا رہا ہے۔ نہ صرف دنیا کے کئی چرچ بلکہ مغربی ممالک کی چند مساجد اس فعل پر سمجھوتا کر چکی ہیں۔ کئی ہم جنس پرست خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ خدا نے انہیں ایسا ہی بنایا ہے۔ یعنی ان کے اندر یہ خواہش خدا نے پیدا کی ہے۔

ذہن میں رکھنے کی بات یہ ہے کہ صرف اس برائی سے بچنا ہی کافی نہیں بلکہ اسے قبیح جاننا بھی ضروری ہے، ورنہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آئے، ہمیں ظاہری اور باطنی ہر طرح کی بے حیائی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

خالق، حاکم اور رازق مان لیا، حضورِ اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا آقا، مرشد اور رہبر مان لیا، آخرت پر سو فی صد یقین باندھ لیا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں، نبیوں اور فرشتوں کو تسلیم کر لیا، تقدیر پر ایمان قبول کر لیا، تو اب ''حبِ دنیا'' کی کیا گنجائش رہ گئی؟ جہاں رہنا نہیں وہاں پر دل لگانا عقل مندی کے خلاف ہے۔ جس جگہ کو آخر کار چھوڑ کر جانا ہے اُسے ہی آباد کرنے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں لگا دینا سمجھ داری نہیں۔ جب خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے ہمارا رزق پہلے سے مقرر اور مقدر فرما دیا ہے تو پھر دنیا ہی زندگی کا مقصد بنا لینا کلمہ طیبہ کے بنیادی مفہوم کے بھی خلاف ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھیجا کہ ہماری فرماں برداری کا امتحان ہو تو پھر یہاں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا کیا مطلب؟ دنیا کے لائف سٹائل اور فیوچر کی فکر میں ڈوب جانے کا کیا مطلب؟ اپنی دنیا کو بچانے کے لیے دین کو قربان کرنے کا کیا مطلب؟ یہاں تو ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی فرماں برداری کے لیے بھیجے گئے ہیں نہ کہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے۔ اس فرماں برداری کا بدلہ آخرت میں یقینی ہے، وہاں فرماں برداروں کی ہر تمنا پوری ہوگی۔ جن مسلمانوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل ہوتا ہے وہ بخل اور ''وھن'' سے محفوظ کر دیے جاتے ہیں۔ وہ شان سے جیتے اور شان سے مرتے ہیں۔ جب وہ میدانِ جہاد میں اترتے ہیں تو ''کفریہ نظام'' ٹوٹنے اور بکھرنے لگتا ہے۔

غزہ کے مظلومین

اسرائیل کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ بہت تیزی سے مسجد اقصیٰ گرانے اور اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا بلکہ مسجد اقصیٰ کے اردگرد سرنگیں بھی کھودی جا چکی تھیں۔ وہ اپنے ناپاک عزائم کی طرف بڑھ رہا تھا، مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم کچھ اور ہی تھا۔ مجاہدین اسلام ایک نئی شان سے میدان میں آئے اور دنیا کو حیران کر دیا۔ سلام ہے حماس کے مجاہدین کو جنھوں نے ۷ اکتوبر برپا کیا اور حال کو ماضی سے جوڑ کر مستقبل کے ایک نئے نقشے میں رنگ بھرے۔ اہلِ نظر کے نزدیک اتنی بڑی طاقت کے مقابلے میں مٹھی بھر مجاہدین کا حملہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، لیکن وقت یہ موقف غلط ثابت کر رہا ہے۔ تاریخ نے یہ منظر پہلے نہیں دیکھا کہ دنیا بھر میں غیر مسلم کمیونٹی نے بھی فلسطینیوں کے حق میں احتجاج کیا اور آزاد فلسطین کے نعرے بلند کیے۔ یہی نہیں بلکہ یہود (ملعونینِ جہان)

حُبِّ مُسلم

حافظ محمد اسد ☆

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جہاد اور مجاہدین کو عجیب شان بخشی ہے۔ اس وقت بظاہر دنیا پر کفر کا نظام قائم ہو چکا ہے اور مسلمان مغلوب ہیں‘ مگر اس کے باوجود جہاں بھی شرعی جہاد شروع ہوتا ہے اور مجاہدین میدان میں اُترتے ہیں تو حالات کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت بارش کی طرح برستی ہے اور ناممکن نظر آنے والے ’’اہداف‘‘ قدموں میں آ گرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کمی اور کوتاہی ہماری طرف سے ہے‘ ورنہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے پکّے اور سچّے ہیں۔ یہ آج بھی اسی طرح پورے ہوتے ہیں جس طرح ’’بدر و احزاب‘‘ میں پورے ہوئے تھے۔

اصل میں مسلمان کو صرف ’’وھن‘‘ کمزور کرتا ہے اور پوری طرح دبا دیتا ہے‘ کسی کافر میں یہ ہمت اور طاقت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو کمزور کر سکے یا مکمل مٹا سکے۔ ’’وھن‘‘ کا مطلب خود آقا محمد مدنی ﷺ نے ارشاد فرمادیا ہے: ((حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ)) ’’دنیا کی محبت اور موت سے نفرت‘‘۔ یعنی جب مسلمان اس دھوکے باز اور فانی دنیا کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے اور موت سے ڈرنے لگتا ہے تو وہ بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت یہ دو بیماریاں ہیں مگر یہ ہمیشہ اکٹھی آتی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کا مشترکہ نام تجویز فرمادیا گیا اور وہ نام ہے ’’الوھن‘‘۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوذُ بِکَ مِنَ الْوھن (یااللہ! ہم آپ کی حفاظت اور پناہ چاہتے ہیں وہن کے حملے سے)۔

دراصل وہن کی بیماری مسلمان کی فطرت سے مطابقت ہی نہیں رکھتی‘ اس لیے جو مسلمان بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جائے وہ کسی کام کا نہیں رہتا‘ دنیا کا نہ آخرت کا۔ وہ ذلیل‘ کمزور اور بدنام ہو جاتا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ مسلمان نے جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا‘ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود

☆ استاذ قرآن اکیڈمی لیسین آباد‘ کراچی

امریکہ بہادر کا دباؤ قائم ہے۔ افسوس کہ چند مذمتی بیانات ہی پر اکتفا کیا گیا۔ اگر عوام کی بات کی جائے کہ جن میں کسی قدر غیرتِ ایمانی کا جذبہ موجزن ہے اور فطرتِ سلیمہ ابھی پوری طرح مسخ نہیں ہوئی' انہوں نے نہ صرف امدادی کارروائیوں میں مالی تعاون کیا بلکہ یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ بھی کیا۔ مساجد اور مدارس میں دعاؤں اور قنوتِ نازلہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔

آخری بات

ان دنوں قرآن کریم کی تلاوت اور آیات میں غور و فکر اس پاکیزہ اور پُرسکون ماحول کا احساس دلاتا ہے جس میں غزہ کے مجاہدین' بے باک سپاہی اور اللہ کے لیے صبر و استقامت اختیار کرنے والے رہتے ہیں۔ معرکہ حق و باطل جاری رہے گا۔ اللہ کی مدد ظاہر ہونے والی ہے اور یقین رکھیں کہ وہ کفار کو ایمان والوں پر غالب نہیں ہونے دے گا۔ استقامت کا لفظ ہم بارہا سنتے' پڑھتے ہیں لیکن غور کرنا چاہیے کہ کیا ہمیں نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے پر استقامت حاصل ہے! وقتی طور پر نوافل' تلاوت' ذکر و درود اور درس و مطالعہ شروع تو کرتے ہیں' لیکن چند ہی دنوں بعد جذبات ٹھنڈے اور اعمال غائب ہو جاتے ہیں۔ ماہِ رمضان میں یا کسی نیک اجتماع میں گناہوں کو چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرتے ہیں اور چند دن اس پر عمل بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر وہی گناہوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائیں۔ اس ضمن میں ایک دُعا جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو استقامت حاصل کرنے کے لیے ارشاد فرمائی' ملاحظہ ہو:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹﴾ (آل عمران)

''پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت عطا کرنے کے بعد (غلط راستے پر) نہ پھیر اور اپنے پاس سے ہم کو رحمت عطا فرما' بے شک دینے والا تُو ہی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تو ایک دن جس (کے آنے) میں کسی طرح کا شبہ ہی نہیں لوگوں کو (اعمال کی جزا و سزا کے لیے) اکٹھا کرے گا (تو اس دن ہم پر تیری مہربانی کی نظر رہے)' بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

❀❀❀

کا بھیانک چہرہ بھی دنیا کے سامنے واضح ہو گیا کہ اصل دہشت گرد یہی ہیں۔ جس طرح وہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہسپتالوں اور اسکولوں پر بم گرا رہے ہیں' عورتوں اور معصوم بچوں کو شہید کر رہے ہیں' اس سے تمام عالم میں اُن کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہیں۔ سلام ہے اُن والدین پر جنہوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کی شہادتوں پر صبر کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی یاد دلا دی۔ اُن کے حوصلے اس قدر بلند ہیں کہ کہتے ہیں: ''جب تک ایک فلسطینی بھی باقی رہے گا' مسجد اقصیٰ پر یہود کا قبضہ نہیں ہوسکتا۔'' غزہ کے اُن مکینوں کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق بھی سوئی ہوئی اُمت کے لیے مشعل راہ ہے کہ بارود کی بوچھاڑ میں جب اپنے پیاروں کے سرتن سے جدا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور زخمی بچوں کو گود میں لیتے ہیں تب بھی زبان پر قرآن کریم کی تلاوت جاری رہتی ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

اُمت مسلمہ کے اہل اقتدار کا معاملہ یہ ہے کہ ۵۷ اسلامی ممالک کے سربراہان خاموش تصویر بنے ہوئے ہیں۔ اپنے مسلمان بھائیوں کا بہتا خون بڑے آرام سے دیکھ رہے ہیں۔ انہیں اپنے مفادات اتنے عزیز ہیں کہ آقاؤں کے کہنے پر امدادی سامان کی ترسیل بھی روک دی ہے۔ بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے کے تقریباً ۳۵ روز بعد انہیں ہوش آیا اور او آئی سی کا اجلاس سعودی عرب کے شہر ریاض میں بلایا گیا۔ اجلاس کے اختتام پر اسلامی تعاون تنظیم کے رہنما اسرائیل کے خلاف کسی عملی اقدام پر متفق نہیں ہو سکے' اگرچہ مختلف نوعیت کی تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ ایک اُمید سی تھی کہ ایران اور ترکی کی موجودگی کے باعث شاید اسرائیل کے خلاف کچھ سخت فیصلے کیے جاسکیں' لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ دو کمزور ریاستوں لبنان اور الجزائر نے اسرائیل کو تیل کی فراہمی روک دینے کی تجویز پیش کی جس کی متحدہ عرب امارات اور بحرین نے مخالفت کی۔ اجلاس کے بعد حتمی بیان کی اشاعت میں کئی گھنٹوں کی تاخیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی تعاون تنظیم کے اجلاس میں اسرائیل کے خلاف مشترکہ کارروائی کا کوئی معاہدہ نہیں ہو پایا۔

واحد اسلامی ایٹمی پاور کا رویّہ

پاکستان کی بات کریں تو ایک طرف عوام کی اکثریت کرکٹ کے نشے میں مست نظر آئی تو دوسری طرف اہل اقتدار کے رویے نے واضح کر دیا کہ اسرائیل کو قبول نہ کرنے کے باوجود

نہیں کہ وہ بیج میں زندگی پیدا کر سکے۔ نہ تنہا پانی کسی بیج کو تناور درخت بنا سکتا ہے۔ پھر وہ کون ہے جس نے ننھے سے بیج سے ایک پتا بنایا' اس کو ترقی دی اور ایک تناور درخت بن گیا؟

ہر گھر میں چھوٹی بڑی ہزاروں چیزیں ہوتی ہیں۔ کوئی شے بھی خود بخود نہیں بنتی۔ تاج محل اور اس طرح کی ہزاروں مضبوط اور خوبصورت عمارتیں ہیں' جن میں کوئی بھی آسمان سے بن کر نہیں آئی۔ سبھی انسانوں نے بنائی ہیں۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز کو کسی نے بنایا ہے تو وہ بنی ہے۔ اپنے طور پر خود ہی کوئی چیز وجود میں نہیں آ گئی۔ زمین اور آسمان ازل سے وجود میں ہیں۔ لوگ ان کی عظمت کے قائل ہیں لیکن کسی کا یہ یقین نہیں کہ آسمان فلاں شخص نے بنایا ہے اور زمین فلاں آدمی کی تخلیق ہے۔ مخلوق میں سے ایسی کوئی ہستی نہیں جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس نے زمین و آسمان بنائے ہیں۔ انسان اپنی عقل و شعور کی نعمت کو استعمال کرے تو غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمان' پہاڑ' سمندر' چاند' سورج' ستارے اور ہزارہا اجرامِ فلکی خود ہی نہیں بن گئے۔ جس نے ان کو بنایا ہے وہ وہی ہے جو ہر شے کا خالق ہے۔

کیا وہ بندہ اشرف المخلوقات کہلانے کا حق دار ہے جو اپنے ہاتھ سے کسی نامور شخص کا بت بنا کر کھڑا کر دیتا ہے اور پھر اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر اُس سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے؟ یا وہ شخص جو خوبیوں کے مالک کسی انسان کا عقیدت مند ہو جاتا ہے؟ جب وہ شخص فوت ہو جاتا ہے تو اسے اپنے ہاتھوں قبر میں ڈال دیتا ہے۔ جب وہ زمین پر رہنے کے قابل نہ رہا تو اس کی قبر پر جا کر اس کے حضور اپنی حاجت پیش کرنے والا اشرف ہے یا قبر میں پڑا ہوا مردہ؟ مردے سے مدد مانگنا تو بے وقوفی اور نادانی ہے۔

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ہر ذی روح کو فوت ہونا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ہستی ہے جو غیر فانی ہے۔ وہ ہر وقت زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ ہر آن ہر جگہ پر موجود ہے۔ ہر انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اس کو پکارا جائے تو وہ سنتا ہے۔ وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ انسانوں کو نبی بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ وہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں لیکن قدرت اور اختیار کا مالک صرف اللہ ہے جو ہر ایک کا خالق ہے۔ ہر نبی نے بھی اپنی حاجت اللہ ہی سے مانگی اور لوگوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ وہ صرف اللہ کو پکاریں۔ ہزاروں انبیاء و رُسل علیہم السلام دنیا میں آئے لیکن ہر ایک فوت ہو گیا اور اسے قبر میں دفن کر دیا گیا۔ ہر

نظریۂ توحید اور انسان

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

زمین پر بسنے والی لاتعداد مخلوق میں سے صرف انسان ہی ہے جس کو عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔ جانوروں میں غور و فکر کی صلاحیت نہیں ہے۔ صرف انسان ہی ہے جو دیکھتا ہے، سنتا ہے اور اس سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ جانور دیکھتے تو ہیں لیکن صرف یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ کہاں جانا ان کے لیے مفید ہے اور کس جگہ ان کے لیے خطرہ ہے۔ کتا سڑک پر چلتا ہے تو اس کو بس اتنا پتا ہے کہ سامنے سے اگر کوئی گاڑی آ رہی ہے تو اسے ایک طرف ہو جانا ہے تاکہ وہ اسے کچل نہ دے۔ پرندہ صرف یہ جانتا ہے کہ اس جگہ بیٹھے جہاں کوئی اسے پکڑ نہ سکے۔ یہی چرند پرند ہیں جن کو انسان پکڑ سکتا ہے۔ ان سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتا ہے۔ بعض کا گوشت کھاتا ہے، بعض کو پالتا ہے اور ان سے شکار کرتا ہے۔ بعض جان داروں سے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ ہاتھی اور شیر وغیرہ اتنے بڑے جانور ہیں لیکن انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و شعور سے انہیں پکڑ سکتا ہے اور ان سے خدمت لے سکتا ہے۔ جانوروں کا چیزوں کو دیکھنا ایک معمول کی بات ہے جبکہ انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے اور غور کرتا ہے تو وہ کچھ مزید حاصل کرتا ہے۔

انسان کا دیکھنا نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ جو انسان چیزوں کو دیکھتا ہے مگر غور نہیں کرتا اُس کا دیکھنا حیوانوں کا سا ہے۔ گویا ایک طرح سے وہ حیوانوں کی سطح پر زندگی گزار رہا ہے۔ آدمی جب کوئی درخت دیکھتا ہے تو اس امر پر غور کرتا ہے کہ یہ کیونکر اتنا بڑا ہو گیا ہے۔ پھر اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بیج کو زمین میں دبایا گیا، پھر پانی دیا گیا تو اس بیج سے ایک ننھا سا پتا نکلا، پھر ٹہنیاں بنیں اور آج یہ اتنا بڑا تناور درخت بن گیا۔ جب انسان پر یہ انکشاف ہوا تو خداداد عقل و شعور سے بھرپور فائدہ اٹھا کر وہ اس قابل ہو گیا کہ اس درخت کی لکڑی سے اپنے لیے طرح طرح کی چیزیں بنانے لگا۔ اب جب انسان نے مزید غور کیا تو سمجھ گیا کہ مٹی میں تو یہ خاصیت

نبی نے یہی تعلیم دی کہ اللہ ایک ہی ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ زمین اور آسمانوں کا وہ واحد مالک ہے۔ ہر نبی نے اللہ تعالیٰ کا واضح تعارف کرایا مگر شیطان نے لوگوں کو گمراہی پر لگایا۔ انسانوں نے اپنوں ہی میں سے بعض کو اپنا سرپرست بنالیا اور بھٹک گئے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے' یعنی اُس وحدہ لاشریک ہستی کے علاوہ کسی اور کو عبادت کے لائق سمجھنا' موت و حیات کا مالک سمجھنا' مشکل کشا یا حاجت روا جاننا' اُس کو سمیع اور علیم جاننا۔ تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کی یہ مشترک تعلیم رہی ہے۔ اللہ انسانوں پر مہربان ہے' اُس نے دنیا میں اپنے پیارے بندے لوگوں کی راہنمائی کے لیے بھیجے۔ انبیاء کا آنا اب ختم ہو چکا ہے۔ ہر نبی نے یہ تعلیم دی کہ خالق و مالک صرف اللہ ہے۔ باقی لوگ اس کے بے اختیار بندے اور اس کے سامنے عاجز ہیں۔ یہ انسان ہی ہے جو زندہ یا مردہ انسانوں' بتوں یا تصویروں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت بھی اس بے عقلی کے کام میں لگی ہوئی ہے حالانکہ قرآن مجید میں کئی بار بتا دیا گیا ہے کہ ایسا کرنا بے انصافی ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے وہ ایسا نادان ہے کہ مرنے کے بعد دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

انسان خطا کا پتلا ہے۔ ہر کسی سے گناہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ استغفار کرتا ہے تو اس کا گناہ بخشا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہ بغیر توبہ و استغفار کے بھی معاف کر دیتا ہے۔ البتہ شرک ایسا گناہ ہے کہ جس کی کوئی بخشش نہیں' جب تک کہ اس کا مرتکب توبہ استغفار اور تجدید ایمان کر کے اس سے باز نہ آجائے' اس لیے کہ ایسا شخص خالق کائنات کا باغی ہو جاتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک زندہ انسان مشکل میں کسی مردے کو پکارے' یا پتھر یا لکڑی کے بت کے سامنے اپنی حاجت رکھے۔ یہ تو اللہ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ نہ اٹھانے بلکہ اس کی ناشکری کرنے کے مترادف ہے' کیونکہ قبر میں پڑا ہوا انسان کسی کی پکار کو سن سکتا ہے نہ کوئی بُت۔ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں وہ کام کرنے چاہئیں جو دار الجزا میں کام آسکیں۔

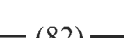

Kausar
BANASPATI & COOKING OILS
کچھ خاص ہمارے کھانے میں

KausarCookingOils

Pakistan Standards

June 2024
Vol.73
Monthly Meesaq Lahore
Regd. CPL No.115
No.6

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

- خوبصورت ٹائٹل
- سفید کاغذ
- معیاری طباعت

1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں

(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)

مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید

- قرآنی رسم الخط
- تفسیری سائز
- عمدہ سفید کاغذ
- مضبوط مراکو جلد

2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں

مکمل سیٹ کی قیمت: 9600 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)